Fakhta Foundation
presents

# سقوطِ عشق سے پہلے

مجھے اک کام کرنا ہے سقوطِ عشق سے پہلے
میں اُلجھا ہوں سُلجھنا ہے سقوطِ عشق سے پہلے

عارف پرویز نقیبؔ

# سقوطِ عشق سے پہلے

(شعری مجموعہ)

عارف پرویز نقیبؔ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

---

کتاب : سقوطِ عشق سے پہلے
(شعری مجموعہ)

شاعر : عارف پرویز نقیبؔ
(فون/واٹس ایپ: 718-2049-300-92+)

اشاعت : جولائی، 2025ء

ای پبلیکیشن : فاختہ ای پبلیکیشنز، کراچی، پاکستان
(شعبۂ برقی نشر و اشاعت، دی پیراکلیٹ اِنک)

زیرِ نگرانی : اسٹیفن رضاؔ
(فاؤنڈر رسی ای او اینڈ سینئر ڈیویلپر، فاختہ ڈاٹ آرگ)
واٹس ایپ: +923338684282

ناشر : دی پیراکلیٹ اِنکارپوریٹڈ (رجسٹرڈ)، کراچی، پاکستان

قیمت : مبلغ 1200 روپے ($10)

---

(قیمت کی آن لائن اور براہِ راست ادائیگی عارف پرویز نقیبؔ صاحب کے درجِ ذیل اکاؤنٹ میں بھیجیے:)

**Arif Pervez Naqeeb**

Habib Bank Ltd

Account: PK12 HABB **004037902115603**

Mobi cash: 03002049718

# انتساب

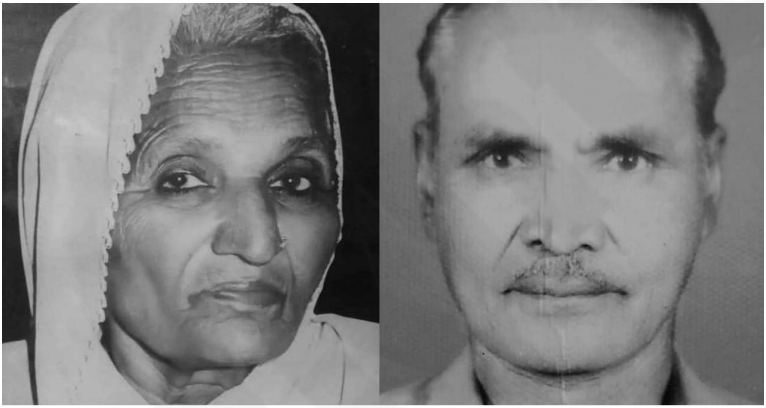

والدِ محترم
حوالدار (ریٹائرڈ) خزان رگل
(مرحوم)

والدہ محترمہ
سردار بیگم
(مرحوم)

کے نام

# شجرۂ نسب

(1858ء تا 2025ء)

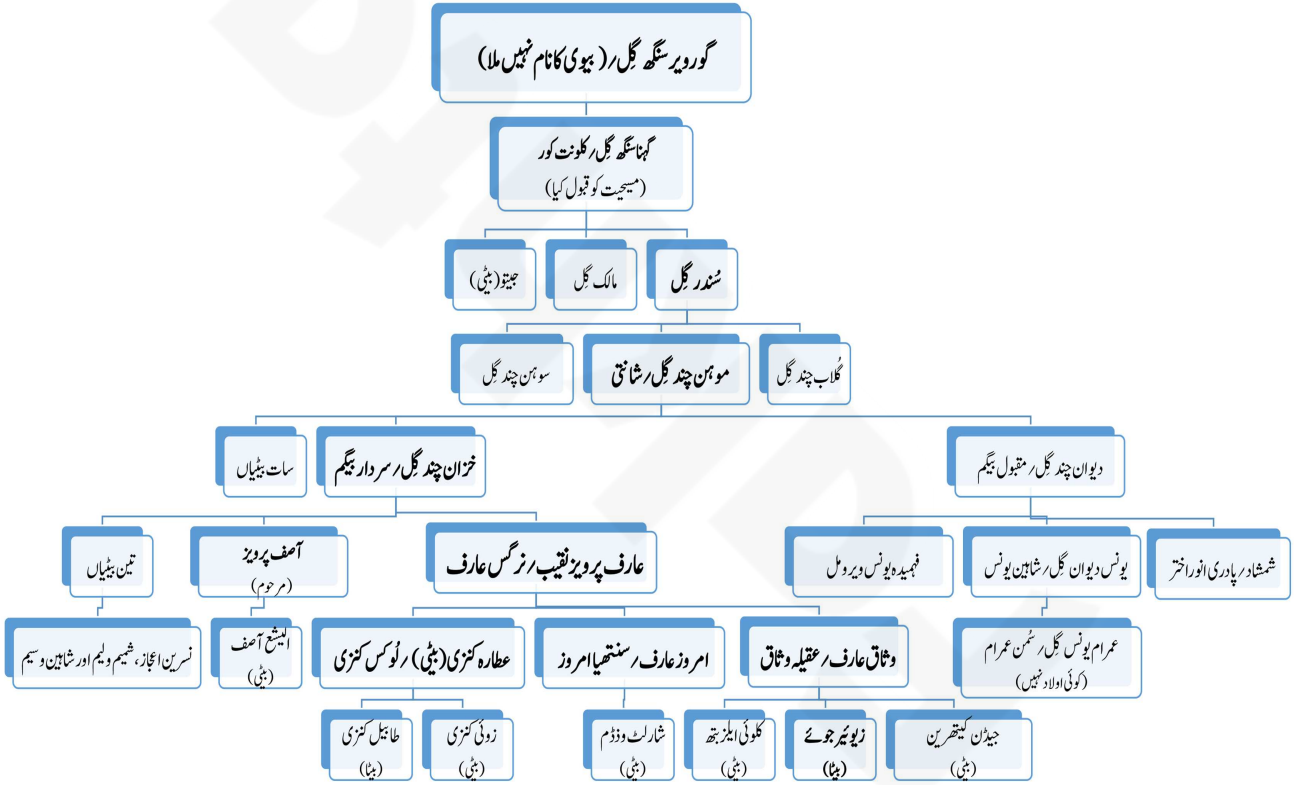

# تعارف

| | | |
|---|---|---|
| نام | : | پروفیسر عارف پرویز |
| تخلص | : | نقیبؔ |
| والد | : | حوالدار خزان گل (مرحوم) |
| | | (تمغۂ جرأت، تمغۂ جنگ) |
| والدہ | : | سردار بیگم (مرحوم) |
| تاریخِ پیدائش | : | 10 اپریل، 1959 |
| آبائی شہر | : | گوجرانوالہ |
| حال مقیم | : | کراچی |
| ذریعۂ روزگار | : | درس وتدریس |
| ابتدائی تعلیم | : | احمد پور شرقیہ |
| | | پرائمری۔ سینٹ مائیکل ہائی اسکول، کوئٹہ |
| تعلیم | : | میٹرک۔ سینٹ جوزف ہائی اسکول، گوجرانوالہ |
| | | گریجویشن۔ ایف سی کالج، لاہور |
| | | بی اے آنرز اُردو ادب۔ پنجاب یونیورسٹی، لاہور |
| | | ایم اے تاریخ۔ پنجاب یونیورسٹی، لاہور |

| | | |
|---|---|---|
| ازدواجی حیثیت | : | شادی شدہ |
| | | بیگم۔نرگس عارف |
| | | بیٹا۔وثاق عارف رعقیلہ وثاق |
| | | جیڈن کیتھرین (پوتی)،زیوئیر جوئے (پوتا)، |
| | | کلوئی ایلزبتھ (پوتی) |
| | | بیٹا۔امروز عارف رسنتھیا امروز |
| | | شارلٹ وذڈم (پوتی) |
| | | بیٹی۔عطارہ کنزی رلُوکس کنزی |
| | | طابیل کنزی (نواسہ)،زوئی کنزی (نواسی) |
| دیگر سرگرمیاں | : | شاعر،ادیب ومحقق،کالم نویس ومضمون نگار |
| مشاورتِ سخن | : | جناب کے آر ضیا (مرحوم)،لاہور |
| | | جناب روشن علی عشرت (مرحوم)،کراچی |
| مطبوعہ نگارشات | : | • حرفِ لامکاں (مجموعۂ سُخن) |
| | | • سقوطِ عشق سے پہلے (مجموعۂ سُخن) |
| زیرطباعت نگارشات: | | • تُورویانہ میں (مجموعۂ سُخن) |
| | | • تردید (مجموعۂ سُخن) |
| | | • اندر بلے تندُور (پنجابی کلام) |
| | | • رختِ جاں (اُردُو پنجابی گیتوں کا مجموعہ) |
| | | • دُکھتی رگ (کالمز کا مجموعہ) |

مجھے اِک کام کرنا ہے ، سقوطِ عشق سے پہلے
میں اُلجھا ہوں سُلجھنا ہے ، سقوطِ عشق سے پہلے

# فہرست


| نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| | کہی ان کہی۔۔۔عارف پرویز نقیبؔ | ۱۴ |
| | بے باک تخلیقی مرقع۔۔۔پروفیسر ونسینٹ پیس عصیم صلیبیؔ | ۲۰ |
| | روشنی کا شاعر، عارف پرویز نقیبؔ۔۔۔عارفہ ملائکہؔ | ۲۷ |
| | ہاجرہ نور زریابؔ، اکولہ، مہاراشٹر، بھارت | ۳۰ |
| | روایت اور جدت کا حسین امتزاج۔۔۔نصرتؔ عتیق گورکھ پوری | ۳۶ |
| | فاختہ فاؤنڈیشن کے لئے ایک لمحۂ افتخار۔۔۔اسٹیفن رضاؔ | ۴۰ |
| ۱ | حمد | ۴۱ |
| ۲ | یہ میری بستی میں شور سا ہے بہت دِنوں سے | ۴۳ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۳ | نہیں معلوم کہ وقت کے کس امتحاں میں ہوں | ۴۵ |
| ۴ | بتاؤں فاصلہ کیا تھا جو کم ہونے سے پہلے تھا | ۴۷ |
| ۵ | ہائے وہ خوش خصال کہ کچھ بھی کہا نہیں | ۴۹ |
| ۶ | میں آنکھیں بند نہیں کرتا (نظم) | ۵۱ |
| ۷ | ذہنوں میں بھرا دُور اندھیرا نہیں ہوگا | ۵۳ |
| ۸ | کھوج آیا ہوں اُسے اِس پار سے اُس پار تک | ۵۵ |
| ۹ | ہم جو پتھر بنا دیئے جاتے | ۵۷ |
| ۱۰ | یہ جھوٹ موٹ کے منظر ہٹانے ہوں گے ہمیں | ۵۹ |
| ۱۱ | دیارِ شب میں کہیں روشنی نہیں ملتی | ۶۱ |
| ۱۲ | خوش فہم (نظم) | ۶۳ |
| ۱۳ | وفا کی حد سے جو باہر نکل گیا ہوتا | ۶۹ |
| ۱۴ | خط تجھے لکھنے لگا تو اُنگلیاں جلنے لگیں | ۷۱ |
| ۱۵ | منزلیں صلیبوں کی راستے صلیبوں کے | ۷۳ |
| ۱۶ | اب سبھی پندار کے قصے گئے | ۷۵ |
| ۱۷ | ہر طرف خوف کی بنیاد اُٹھانے والو | ۷۷ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱۸ | مجھے تُم مار ڈالو گے چلو پھر دیکھ لیتے ہیں | ۷۹ |
| ۱۹ | آنکھوں میں کیسا دُھند کا منظر اُتر گیا | ۸۱ |
| ۲۰ | کرونا (نظم) | ۸۳ |
| ۲۱ | میں تیرا تھا، میں تیرا ہوں، اُسی عہد و پیماں پہ ہیں | ۸۶ |
| ۲۲ | کبھی بدحال بدلیں گے؟ یہ ممکن ہے کہ ناممکن | ۸۸ |
| ۲۳ | یہ کیا ہوا دِلوں کا توازن بگڑ گیا | ۹۰ |
| ۲۴ | کیا بتلائیں کیا کیا گزرے سال کیا | ۹۲ |
| ۲۵ | میں قفس کو آشیاں کیسے لکھوں | ۹۴ |
| ۲۶ | اُڑتی ہے آگ درد بگُولوں کی آڑ میں | ۹۶ |
| ۲۷ | اب نہ ملنے کی کبھی بھی استدعا | ۹۸ |
| ۲۸ | خواب صدیوں کے سمٹ کے گویا پل بھر آ گئے | ۱۰۰ |
| ۲۹ | اگر میں وقت کو اپنے دھیان میں رکھتا | ۱۰۲ |
| ۳۰ | ڈوبتا دِل تیری یادوں کا کنارا مانگے (گیت) | ۱۰۴ |
| ۳۱ | مرے مدار سے مجھ کو نکال دے کوئی | ۱۰۶ |
| ۳۲ | ہم کو تو سب وفا کے تقاضے عزیز تھے | ۱۰۸ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۳۳ | زمیں میں پاؤں گاڑے ہیں چھُوا ہے آسماں میں نے | ۱۱۱ |
| ۳۴ | آنکھوں میں کوئی خواب کا دریا نہیں آیا | ۱۱۳ |
| ۳۵ | بُجھ گیا ہے دِیا سو خاموشی | ۱۱۵ |
| ۳۶ | غلط فہمی (نظم) | ۱۱۷ |
| ۳۷ | زندگی کے راستے میں یہ زیاں ہم نے کیا | ۱۱۹ |
| ۳۸ | یوں چاہتوں کی عدالت مرے خلاف اُٹھی | ۱۲۱ |
| ۳۹ | تلاشِ یار میں نکلے تلاشِ یار تک آئے | ۱۲۳ |
| ۴۰ | چہرے تو بجا دِل ہی تو دیکھے نہیں ہوتے | ۱۲۵ |
| ۴۱ | کیا ہو رہا ہے شام و سحر سوچتے رہو | ۱۲۷ |
| ۴۲ | میں نہ بولوں گا تو پھر میرا خُدا بولے گا | ۱۲۹ |
| ۴۳ | سرِ بازار مرنے دو، پسِ دیوار مرنے دو | ۱۳۱ |
| ۴۴ | آج نہیں تو کل دیکھیں گے | ۱۳۳ |
| ۴۵ | خُدا حافظ (نظم) | ۱۳۵ |
| ۴۶ | جبر سے ہم کو محبت میں گرفتار نہ کر | ۱۳۷ |
| ۴۷ | بدل لئے ہیں جو رستے سو کیا کہیں تُم سے | ۱۳۹ |

| نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۴۸ | کم گو (نظم) | ۱۴۱ |
| ۴۹ | ابھی تو تولے ہیں پر ہی فقط اُڑاں کے لئے | ۱۴۳ |
| ۵۰ | وہ خُدا نہ تھا مگر کیسی قیامت چھوڑ دی | ۱۴۵ |
| ۵۱ | کیا ہوا جو وہ گیا، کچھ بھی نہیں | ۱۴۷ |
| ۵۲ | وقت (نظم) | ۱۴۹ |
| ۵۳ | رُوٹھا تو بے حواس بڑی دیر تک رہا | ۱۵۲ |
| ۵۴ | تھی بلا وہ یاد کی جو سب ہنسی ہی کھا گئی | ۱۵۴ |
| ۵۵ | بدلے ہیں جو اِس دَور میں افکار کے معنی | ۱۵۶ |
| ۵۶ | ہمیں بھُلا کے تو خوش ہے ذرا پتہ تو چلے | ۱۵۸ |
| ۵۷ | دکھاوا (نظم) | ۱۶۰ |
| ۵۸ | مکالماتی نظم | ۱۶۲ |
| ۵۹ | بدل لئے ہیں جو رستے وضاحتیں کیسی؟ | ۱۶۴ |
| ۶۰ | بچھڑنے سے ذرا پہلے (نظم) | ۱۶۶ |
| ۶۱ | اُس نے لکھا ہے (نظم) | ۱۷۰ |
| | متفرق اشعار و قطعات | ۱۷۲ |

# کہی اَن کہی

نہیں معلوم کہ ہم شاعری کے شوق میں کب مُبتلا ہوئے جسے میرے والدِ محترم اور دیگر رشتہ داروں نے پاگل پن قرار دے دیا۔ اَور تو اَور، ہمارے مکتب کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے ہمیں اپنے دفتر میں بُلا کر بے نقط سُنائیں اور شاعری کے مضمرات اور خامیاں گنوائیں۔ ہم نے دبے دبے الفاظ اپنی درسی کتب میں شاعروں کا حوالہ دیا تو ہیڈ ماسٹر جو ریاضی کے اُستاد تھے، ہماری اچھی طرح ٹھکائی کرنے کے بعد ہمارے اُردُو کے اُستاد محترم البرٹ جوزفؔ صاحب جو فخریہ ہمیں ہیڈ ماسٹر کے پاس لے گئے تھے، اُن کو میرا علاج کرنے کا مشورہ دیا۔ علاج سے مُراد وہی ٹھکائی تھی جو وہ کر چکے تھے۔

یہی نہیں بلکہ اگلے دِن ہمارے والدِ محترم کو بُلا کر اُن کے سامنے ہماری سرزنش اسی طور سے کی۔ ابّا مرحوم اُن کے دلائل سے اِس قدر متاثر ہوئے کہ اسکول کے بعد جب گھر

پہنچے تو پہلا کام یہ ہوا کہ صحن کے عین درمیان مُرغا بنا دیا گیا۔جس کا کچھ احوال ہم اپنے اولین مجموعۂ سُخن ''حرفِ لامکاں'' میں کر آئے ہیں۔ ہمارا مُرغا بننے کی دیر تھی کہ امّی نے ایسا ہاؤ ہو مچایا اور بہنوں نے جن کی ہمارے ساتھ کبھی نہ بنی تھی، رو رو کر آسمان سر پر اُٹھا لیا جس کے سبب ایسا ماتم گزیدہ ماحول بنا کہ آس پڑوس کے لوگ بھی بھاگے دوڑے چلے آئے کہ خُدا جانے کیا ہو گیا۔ اِس کا فائدہ یہ ہُوا کہ ابّا جان نے ایک لات ہماری جائے تشریف پر رسید کی اور ساتھ ہی شاعری کو ہمارے لئے شجرِ ممنوع قرار دیتے ہوئے خبردار کیا کہ اگر اب شکایت آئی تو ہڈیاں توڑ دوں گا۔ اُس وقت ہم جماعت نہم کے طالب علم تھے۔ خیر اُن کے خبردار کرنے پر ہم نے فوراً شاعری نہ کرنے کا وعدہ کر لیا۔ مگر شاعری کی لت جو لگ گئی تھی۔ اور جو اُلٹے سیدھے اشعار سُنا کر دوستوں سے داد وصول کرنے کا چسکا تھا وہ ختم نہ ہُوا۔

خیر، دسویں جماعت تک ہم نے اشعار تو کہے مگر ابّا جان اور ہیڈ ماسٹر صاحب کو بھنک نہ لگنے دی۔ لیکن دسویں کے بعد اسکول سے فارغ ہونے سے پہلے اسکول اور جماعت نہم کی جانب سے دی جانے والی الوداعی تقریب منعقد ہوئی تو ہم نے ایک الوداعی نظم لکھ کر سُنا دی۔ دورانِ تقریب کسی اَور کا تو پتہ نہیں ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب مسلسل کروٹیں بدلتے رہی۔ جب کہ تقریب میں شامل شرکاء نے واہ واہ کے وہ ڈونگرے برسائے کہ ہم آنے والے عتاب سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ تقریب ختم ہوئی، گھر پہنچے تو بقول خاطر غزنوی کہ،

؎ ''مجھ سے پہلے اُس گلی میں میرے افسانے گئے''

ہمیں ہماری چھوٹی بہن جن سے ہماری دشمنی چلتی تھی، سب سے پہلے بھاگ کر دروازے پر پہنچیں کہ بھاگ جاؤ، ابّو بہت غصے میں ہیں۔ خیر، شام تک پتہ نہیں کس کس کے سمجھانے پر اُن کا غصہ سرد پڑا تو ہم جو پڑوسیوں کے گھر میں پناہ گزین تھے، بُلا لیا گیا۔ خیر، میٹرک کا نتیجہ آیا تو ہماری فرسٹ ڈویژن دیکھ کر ابّا جی نے بہت شاباش دی مگر شاعری سے اجتناب کا مشورہ بھی دیا جسے ہم نے فوراً قبول کر لیا۔ کرنا خُدا کا یہ ہُوا کہ ہمیں ایف سی کالج لاہور میں داخلہ مل گیا۔ ہاسٹل کا انتظام بھی ہو گیا اور ہمارے پر پُرزے نکل پڑے۔

اور

؎ ''بن کے پنچھی اُڑتی پھروں مست پون میں''

کے مصداق ہمیں شاعری کرنے کا کھُلا میدان میسر آ گیا۔ دوسرا یہ ہوا کہ ہماری ریاضی سے جان چھُوٹ گئی جس کے لئے ہم اسکول کے دِنوں میں زیرِ عتاب رہے۔

اِنہی دِنوں میں گوجرانوالہ میں جناب کے آر ضیاؔ صاحب سے ملاقات ہوئی تو اُن کے پاؤں پکڑ لئے۔ ابھی ہم ابتدائی مراحل میں تھے کہ وہ لاہور منتقل ہو گئے جہاں اُن کی مصروفیات بڑھ گئیں اور ہمیں بہت کم وقت میسر آتا تھا۔ مگر ہم اِس قدر طاق ضرور ہو گئے کہ قافیہ ردیف سمجھ آ گیا اور کچھ شُدھ بُدھ وزن کی بھی ہوئی۔ خیر کالج کا دَور اختتام پذیر ہُوا تو بی اے آنرز اُردُو ادب کے لئے پنجاب یونیورسٹی جا پہنچے جہاں ایک نئی دُنیا ہماری منتظر تھی۔

شاعری کو تو جیسے پر لگ گئے۔ جو اُلٹا سیدھا سمجھ میں آتا لکھ ڈالتے اور دوستوں سے دُشنام طرازی اور داد بیک وقت وصول کرتے۔ وہیں ہماری ایک بہترین دوست اور بدترین دشمن زاہدہ باجوہؔ بھی تھیں جو ہماری شاعری پر کھُل کر داد دیتی اور عوضانہ میں ہمارے بنائے ہوئے نوٹس وصول کر کے کاپی کر لیتیں۔ بدترین دشمن یوں کہ ہم اُسے دیکھ کر اکثر غائب ہو جاتے اور جس کا علم اُسے اُس کے چھوڑے ہوئے گماشتوں کے باعث ہو جاتا اور تلاش کر لینے پر ایسی ایسی باتیں سُناتی کہ الاماں، تب خُدا سے شکوہ ضرور ہوتا کہ یا اِسے زبان نہ دی ہوتی یا ہمیں قوتِ سماعت سے نہ نوازا ہوتا۔ لیکن ہم اُس سے جان بھی نہ چھُڑا پاتے کیونکہ وہ بارہا ہماری شاعری کی نوک پلک سنوار دیتی تھی کیونکہ وہ شاعری کے اسرار و رموز ہم سے کہیں بہتر جانتی تھی۔

خُدا خُدا کر کے بی اے آنرز کے بعد اُس سے جان چھوٹنے کا جس قدر افسوس ہوا وہ بتانا مشکل ہے۔ ایم اے تاریخ میں داخلہ لیا تو زاہدہ باجوہؔ کے بتائے گئے اصولوں کے باعث ہماری شاعری پہلے سے کہیں بہتر ہو چکی تھی۔

بعد ازاں، کراچی منتقل ہوا تو ایک وسیع میدان ہمارے سامنے تھا جس میں ہم نے قدم رکھ دیا اور کئی جید شعرا سے شرفِ ملاقات رہی۔ اُنہیں میں جناب روشن علی عشرتؔ تھے جنہوں نے ہمیں کئی ایک اسرار و رموز سمجھائے مگر اُن سے بھی ملاقاتیں اِس سبب سے ادھوری رہ گئیں کہ ہم سعودی عرب چلے گئے۔

عہدِ حاضر میں ہماری ملاقات مسیحی حلقوں میں سے سب سے معتبر اور یکتائے روزگار شخصیت اور علمِ عروض کے ماہر جناب ڈاکٹر عادل امینؔ سے ہوئی۔ جنہوں نے ہمارے پہلے مجموعۂ سُخن کی تدوین میں بڑی خوشدلی سے ہمارا ساتھ دیا۔ پہلے مجموعۂ کلام ''حرفِ لامکاں'' میں اُن کے لئے لکھا ایک مکمل اقتباس کاتب نے خُدا جانے کہاں گُم کیا کہ کتاب چھپ کر آئی تو وہ اقتباس موجود نہ تھا۔

اپنے دوسرے مجموعۂ سُخن ''سقوطِ عشق سے پہلے'' کی اشاعت کے لئے ''فاختہ فاؤنڈیشن'' اور اِس کے روحِ رواں جناب پادری اسٹیفن رضاؔ کا تہِ دِل سے ممنون ہوں جنہوں نے اِس کام میں خصوصی دلچسپی ظاہر کی۔

اِس ضمن میں ''فاختہ فاؤنڈیشن'' سے متعلق بتانا ضروری ہے کہ یہ خیال کیوں کر آیا اور اِس کے پسِ پشت کیا مقاصد پنہاں تھے۔

آج سے کوئی چار ماہ پہلے ہمیں جناب پادری اسٹیفن رضاؔ نے خصوصی طور پر اپنے دولت کدہ پر مدعو کیا تو میں یہ سُن کر حیران رہ گیا کہ پادری صاحب ہمارے نام سے ہمارے کلام سے متعلق کوئی ویب سائٹ مرتب کرنے جا رہے ہیں۔ بات ہوتے ہوتے اِس نتیجہ پر پہنچی کہ فاختہ فاؤنڈیشن کی وساطت سے محض عارف پرویز نقیبؔ کا کلام ہی کیوں؟ بہتر ہو گا کہ ہم اِس فاؤنڈیشن کے توسط سے اُن تمام مسیحی شعراء و ادباء کو بھی سامنے لائیں جو کئی ناگزیر وجوہات کی بنا پر اپنا کلام چھپوا نہیں سکتے۔ اُس میں کچھ ایسے نام بھی تھے جو بہت اچھا

اور پختہ لکھتے ہیں مگر لوگ اُن کے نام تک سے واقف نہیں۔ یوں ہم اِس نتیجے پر پہنچے کہ مسیحی شعراء و ادباء کا جس قدر بھی کلام دستیاب ہے اُسے ''فاختہ فاؤنڈیشن'' کی ویب سائٹ فاختہ ڈاٹ آرگ پر منتقل کر دیا جائے کہ کلام محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی بصارتوں تک رسائی حاصل کر لے۔ اور یوں پہلا کلام ہمارا ہی تھا جو ''فاختہ فاؤنڈیشن'' کی ویب سائٹ کی زینت بنا۔ یاد رہے کہ ''فاختہ فاؤنڈیشن'' کا مقصد ''ریختہ'' کی طرز پر صرف مسیحی شعراء و ادباء کے کلام اور نگارشات کو محفوظ کرنا ہے۔ جس میں افسانہ نگار، مضمون نویس، کہانی نویس، کالم نگار اور شاعر و شاعرات کی تخلیقات کو محفوظ کیا جائے گا۔ جس میں علمِ عروض کے ماہرین سے حاصل کردہ اسباق بھی شامل کئے جائیں گے جو مبتدیوں کی راہنمائی کے لئے مؤثر ثابت ہوں گے۔ جن میں محترم اے آر ناظمؔ صاحب کی تالیف ''آیئے شاعری سیکھیں'' اور عہدِ حاضر کے معروف ماہرِ علمِ عروض جناب ڈاکٹر عادل امینؔ سے حاصل کردہ اسباق سے استفادہ کیا جا سکے گا۔

آخر میں ہم اپنے اہلِ خانہ خصوصاً بہو سنتھیاؔ اور بیٹے امروزؔ کے تعاون کے ممنون ہیں کہ اُنہوں نے اِس مجموعۂ سُخن کی تیاری و ترتیب میں مکمل ساتھ دیا اور جس کے باعث یہ مجموعۂ کلام بروقت تیار ہو پایا۔

**پروفیسر عارف پرویز نقیبؔ**

کراچی، پاکستان

# بے باک تخلیقی مرقع

جناب عارف پرویز نقیبؔ عہد حاضر میں میرے پسندیدہ شعراء میں صفحہ اول کے وجدان وفکر گیر شاعر ہیں۔

انجام میرا سوچ کے سب سہمے ہوئے ہیں
میں جھوٹ کے اس شہر میں سچ بول رہا ہوں

جناب عارف پرویز نقیب کے بے باکانہ مجموعہء کلام کا مکمل تعارف ان کے اسی شعر میں پنہاں ہے۔

اگر چہ نقیب عام شعراء کی نسبت موضوعات کی مختلف جہتوں میں سفر کرتے دکھائی دیتے ہیں جو حسیاتی سطح سے بلند ہو کر فکری سطح پر بات کرتے ہیں مگر حقیقت کی تلخی اور تیز روی

کو روایت کے حسن میں اپنے منفرد انداز میں اثر انگیز بنانے کا یہ ہنر انہیں بطور شاعر منفرد مقام عطا کرتا دکھائی دیتا ہے۔

ان کی طرف سے مجھے ان کے اس حالیہ شعری مجموعہ ''سقوطِ عشق سے پہلے'' پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی فہمائش میرے لئے باعث اعزاز و افتخار ہے۔ کئی روز کی الجھنیں اور علیل طبع آڑے آ گئیں ورنہ ہفتوں کی تاخیر ایک شب کی نشست میں سما سکتی تھی۔ عشق اور وارداتِ عشق کا ٹکراؤ کتنے تاج محل سنوارتا اور مسمار کر جاتا ہے۔ یہ طوفان سیل بے بہا جہاں احساس کے تان پورے سے اٹھتے مضطرب سروں کو ہنگامہ سکون و کیف میں ڈھال دیتا ہے وہاں ایک اضطراب کو بھی جنم دیتا ہوا فضا میں رکے طوفانوں کی یلغار کے آگے ڈھال بن جاتا ہے۔ ان کے مجموعہ کلام ''حرف لامکاں'' کے منسوب جناب کے۔ آر ضیاء میرے شعری مجموعہ کلام ''سوکھے پتھر گیلی ریت'' کے معنون ہیں۔ یوں مجھے ان کا ہم استاد ہونا درجہ انبساط عطا کرتا ہے۔

عارف پرویز نقیب کے اشعار میں ان کا دل دھڑکتا اور ان کے لہو کا ولولہ مضطرب کروٹیں لیتا دکھائی دیتا ہے جو سچائی کی بے باکی سے معمور و مخمور ہو کر مجھ ایسے ناتواں مصلحت کوشوں سے ممتاز کرتا ہے۔ حرف و حکایت کی چلمن سے راز کی بات کو برسر عام منکشف اور عیاں کرنے میں ذرا بھی باک محسوس نہیں کرتے۔ ان کی شاعری میں بے باکی اور بغاوت کا عنصر بھڑکتا ہوا وہ الاؤ ہے جو سچائی کی تاثیروں کے ایسے نقوش روشن کر دیتا ہے جن سے محبت

کی رُتوں میں سرخ آندھیوں کے جھکڑ چلنے لگتے ہیں۔

اشعار ملاحظہ ہوں:

تُو جا رہا تھا تو واپس پلٹ بھی سکتا تھا
بدن میں درد ہے بکھرا سمٹ بھی سکتا تھا
میرا یہ ظرف وفا ہی بنا ہے مجبوری
میں زخم کھا کے وگرنہ جھپٹ بھی سکتا تھا
وہ التجا تھی تری آنکھ میں ، میں ہار گیا
نہیں تو بازی میں جاناں الٹ بھی سکتا تھا
میں کاٹ دیتا جو تیری انا کی بیساکھی
ترا یہ قد تو میرے قد سے گھٹ بھی سکتا تھا

نقیبؔ کی شعری جہتوں میں جہاں لحاظ و مروت کی حدود لامحدود میں جرات بے باکانہ کی تیز روندی کا جوش بھی ہے وہاں ان کی شاعری میں دھیمی دھیمی بہنے والی جوئے آب کی خفتہ روانی بھی ہے۔لہجہ کہیں نرم اور کہیں برہم ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں،

یوں دھوکے میں نہیں رہنا مجھے تحقیق کرنا ہے
وفا تیری نہیں سمجھا مجھے تحقیق کرنا ہے

اور ملاحظہ فرمایئے:

فرقتوں اور قربتوں کے درمیاں مارے گئے
ہم بھی کیسے فاصلوں کے درمیاں مارے گئے

اس گلی سے اس گلی تک کٹ گئی عمر رواں
عمر بھر ہم ہجرتوں کے درمیاں مارے گئے

اور پھر نرم ہوا کا جھونکا، مزاج یار کی نرمی مزاج برہمی کی چلمن سے جھانکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، ملاحظہ ہو:

بہت روئے گلے مل کے
بچھڑنے سے ذرا پہلے
یہ کیسے خواب سے جاگے
بچھڑنے سے ذرا پہلے

بھول تو سکتا ہوں میں تجھ کو میری جان حیا
بھول جانے کے لئے عمر رواں بھی کم ہے

تو کہ احساس محبت سے ہے عاری جاناں
تو میرا وہم بھی یا دھوکہ بھی ہو سکتی ہے

نقیبؔ کو جھوٹ کے پردے سے بے دریغ چاک کر دینے کا باک حقیقت شناسی سے متعارف کرتا ہی چلا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

اس نے بھی کل شب اڑایا میری چاہت کا مذاق
میں نے بھی جی بھر کے اس کے حسن کی توہین کی
اشک بھی دفنا دیے آنکھوں کے قبرستان میں
اور دل وحشی کی میں نے سینے میں تدفین کی

جناب عارف پرویز نقیبؔ کا اشہب قلم محض تخیل کی سرسبز وادیوں میں گلگشت نہیں کرتا بلکہ ان کے کان عصری ماحول کی چیخ و پکار پر بھی سراپا احتجاج بن جاتے ہیں۔ عام بول چال میں ان کے اشعار سہل ممتنع کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے چند اشعار دیکھئے:

وفائیں قتل ہوتی ہیں سنا تو نے
سماں ماتم گزیدہ سا، جگہ بدلیں

میرے مدار سے مجھ کو نکال دے کوئی
فلک کی سمت ہی مجھ کو اُچھال دے کوئی

ہیں ارد گرد جو میرے حصار کی صورت
کہ زہر سانپوں کا اب تو نکال دے کوئی

امیر شہر تو دنیا کی واہ واہ پہ نہ جا
تو میرے سچ کو سمجھ لے میری قبا پہ نہ جا

جب ظلم بڑھا ہے تو لگے قفل زباں پر
اب اپنی قیادت پہ ہیں شرمائے ہوئے لوگ

صحرا میں چلے جاتے ہیں بے سمت مسافر
ہر گام پہ دو بوند کے ترسائے ہوئے لوگ

جناب نقیب کی شاعری میں الجھاؤ نہیں۔ سادگی اور عام گفتگو میں ان کی بے باکی قابل فخر ہے جو ایک سوچتی ہوئی غمگین لیکن سنجیدہ فضا قاری کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ ان کی بے باکی بے بصر لہروں کو مرتعش کرتی چلی جاتی ہے۔

اُن کا یہ مجموعۂ کلام ''سقوطِ عشق سے پہلے'' کے ارتعاش کو مرقع نقش زرنگار بنا رہا ہے جوان کی مچلتی تڑپ کا غماز اور زبان و بیان کی تصنع گری سے عاری ہے۔خوب سے خوب تر کی ان کی کوشش حد و بے حد کی منازل سے ماورا ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ ان منکسرانہ معروضات کے ساتھ میں ان کے مداحوں کا ہم نوا ہوتے ہوئے،ان کے مایہ ناز تخلیقی مرقع کی اشاعت پر انہیں خراجِ مرحبا پیش کرتا ہوں اور ان کے لئے دعا گو ہوں کہ ان کا اشہب قلم اپنی رفتار میں ان کے قلب کا غماز رہے۔آمین!

دعا گو

**پروفیسر ونسینٹ پیس عصیم صلیبیؔ**
فیصل آباد، پاکستان

# روشنی کا شاعر: عارف پرویز نقیبؔ

کچھ لوگ لفظوں میں روشنی بھرتے ہیں، کچھ خوابوں میں چراغ جلاتے ہیں، اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو خود روشنی بن کر دلوں میں اُتر جاتے ہیں۔ عارف پرویز نقیب انہی میں سے ایک ہیں۔ کراچی کی ادبی فضا میں ان کی آواز صرف ایک شاعر کی نہیں، ایک روح کی پکار ہے۔

ان کی شاعری میں نہ شور ہے نہ دکھاوا، بس ایک خاموشی ہے جو دھڑکنوں سے بات کرتی ہے وہ روح کی گہرائیوں سے ابھرنے والے وہ شاعر ہیں جن کے اشعار صرف پڑھے نہیں جاتے، محسوس کیے جاتے ہیں۔

میں نے خاموشیوں کو پڑھا ہے
لفظ تو اکثر دھوکہ دیتے ہیں

یہی وہ جذبہ ہے جو ان کے کلام کو روحانی بنا دیتا ہے۔ وہ غم کو دعا میں ڈھالتے ہیں

اور ہر درد کے پیچھے ایک نور تلاش کرتے ہیں۔

وہ جو چپ چاپ جلتے رہے اندھیروں میں
انہی چراغوں نے صبح کی نوید دی ہے

عارف نقیبؔ کی شاعری صرف دُکھ کی بازگشت نہیں بلکہ امید کی دستک ہے ان کے الفاظ ٹھنڈی ہوا کی طرح ہیں جو تھکے دلوں پر پھیرے جائیں تو سکون اُترنے لگتا ہے

جو دل کی دھڑکن میں اُتر جائے وہی شعر ہے
جو درد کو لفظوں میں سمو دے وہی فن ہے

ان کا قلم گویا دل کی محرابوں سے روشنی نکالتا ہے۔ان کے اشعار میں عشق، عبادت کی صورت نظر آتا ہے

محبت جب عبادت بن گئی تو
میں نے آنکھوں میں خدا دیکھا

ایسا لگتا ہے جیسے وہ خود ایک ایسے چراغ ہوں جو جلتے بھی ہیں، اور جلاتے بھی ہیں:

میں اندھیرے میں بھی چلتا ہوں نقیبؔ
کیوں کہ دل میں اک دیا جلتا رہا

عارف پرویز نقیبؔ کا کلام روح کی پیاس بجھاتا ہے، اور لفظوں کے وسیلے سے ایک

ایسی دنیا سے جوڑتا ہے جو خاموش مگر بے حد روشن ہے۔ وہ شاعر نہیں ایک روحانی رُوشنی ہیں جو دلوں کے در پر اُمید کی دستک دے کر کہتی ہے:

ابھی کچھ خواب باقی ہیں
ابھی ہے روشنی زندہ

ایسے شاعر زمانے میں کم پیدا ہوتے ہیں جو صرف لکھتے نہیں بلکہ لفظوں سے دعائیں بُنتے ہیں عارف نقیبؔ ان ہی نایاب روحوں میں سے ایک ہیں۔

**عارفہ ملائکہ**
آسٹریلیا

# ہاجرہ نور زریاب

جب کسی قلم کار کی تحریر دل کی تہوں کو چھو جائے، تو احساس کی زمین پر ایک ہلکی سی لرزش محسوس ہوتی ہے بی کچھ ایسا ہی تجربہ مجھے اُس وقت ہوا جب میں نے عارف پرویز نقیب کی ایک غزل فیس بک پر پڑھی۔

ان سے ملاقات تو کبھی نہ ہوئی، لیکن ان کے الفاظ نے گویا ان کی موجودگی کا احساس دلایا۔ ان کی تحریر میں فکر کی گہرائی، جذبے کی شدت، اور الفاظ کا قرینہ سب کچھ ایسا ہے کہ قاری خاموش ہو کر دیر تک سوچتا رہ جائے۔

عارف پرویز نقیبؔ صرف شاعر ہی نہیں، وہ ایک حساس دل اور بیدار ذہن رکھنے والے صاحبِ قلم ہیں، جو نہ صرف مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ مشاہدے کو بیان کرنے کا سلیقہ بھی رکھتے ہیں۔

یہ چند سطور، دراصل ایک شکریہ ہے اُن لمحوں کا، جو ان کا کلام پڑھتے وقت محسوس کیا

عارف پرویز نقیب کی یہ منتخب شاعری نہایت گہرے احساسات، جدید فکری جہتوں اور عصری شعور کا خوبصورت امتزاج پیش کرتی ہے۔ اُن کی نظموں اور غزلوں میں درد، سوال، احتجاج، عشق، سماجی بے حسی، سیاسی ناانصافی اور انسانی جذبات کی پرتیں بڑی مہارت سے کھولی گئی ہیں چند باتیں:

**۱۔ خاموشی کا علامتی استعمال:**

؎ بجھ گیا ہے دیا سو خاموشی

ایسی نظموں میں خاموشی ایک علامت ہے ناامیدی، تنہائی اور خدائی خاموشی کی۔ یہ اس عہد کی تصویر ہے جہاں مظلوم کی آہ بھی بے اثر ہے۔

**۲۔ محبت اور ہجر کی شدت:**

ان کی عشقیہ شاعری میں جذبات کی شدت، اندرونی کشمکش اور وفا کی سچائی بہت نمایاں ہے۔ مثلاً:

زخم پہلے بھرے نہیں میرے
تُو نے پھر سے کمان کس لی ہے

**۳۔ سیاسی و سماجی شعور:**

نظم ''مرا دیس ہے اس دیس میں۔۔۔'' ایک بھرپور تنقیدی اظہار ہے، جہاں

معاشرتی سچائیوں اور منافقت کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

**۴۔ مکالماتی نظم:**

''میں کہتا ہوں کہ تم اپنی مجھے تصویر بھیجو نا۔۔۔'' ایک جدید انداز کی نظم ہے جس میں محبت کا مکالمہ فلسفیانہ سوالات کے ساتھ جُڑا ہوا ہے، اور ہر سطر نئی جہت پر سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔

**۵۔ بیان و زبان:**

ان کی زبان رواں، سادہ مگر با اثر ہے۔

**تشبیہات، استعارے اور عارف پرویز نقیبؔ کے کلام کا تجزیاتی مطالعہ**

عارف پرویز نقیبؔ کا شمار اردو کے اُن شعرا میں ہوتا ہے جنہوں نے عصری حسّیت، جذباتی گہرائی، اور فکری وسعت کو اپنے اشعار کا محور بنایا۔ ان کے کلام میں داخلیت اور خارجیت دونوں پہلو نمایاں ہیں۔ ذیل میں مختلف شعری جہات سے ان کے کلام کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے:

**۱۔ موضوعات کا تنوع:**

عارف پرویز نقیبؔ کے اشعار میں موضوعات کی وسیع دنیا بکھری ہوئی ہے۔ ان کے ہاں معاشرتی ناہمواری، سیاسی بے حسی، ذاتی کرب، محبت و جدائی کا نوحہ، ذات کی تلاش، خاموشی کا کرب بھرپور انداز میں ابھرتے ہیں۔ وہ اپنے اشعار کے ذریعے فرد اور

سماج کے باہمی تعلق کو جس سادگی اور اثر پذیری سے پیش کرتے ہیں، وہ ان کی انفرادیت کو ظاہر کرتا ہے۔

**۲۔اسلوب اور زبان:**

ان کی زبان سادہ، رواں اور محاوراتی ہے، لیکن یہی سادگی گہرے مفہوم کا پیرایہ بن جاتی ہے۔ان کا اسلوب مکالماتی بھی ہے، جو قاری کو براہ راست مخاطب کرتا ہے۔مثلاً:

میں کہتا ہوں کہ تم اپنی مجھے تصویر بھیجو نا۔۔۔
وہ کہتی ہے کہ روحوں کی بھلا تصویر ہوتی ہے؟

یہ نظم گویا دو دلوں کے بیچ کی متضاد سوچوں کا منظر نامہ ہے جو قاری کے دل میں اتر جاتا ہے۔

**۳۔تلمیحات اور علامتیں:**

ان کے ہاں علامتی اظہار بھی ہے۔''صلیب و دار''، ''شبِ فرات''، ''اہلِ کوفہ'' جیسی تلمیحات واضح طور پر کربلا کی معنویات کو جدید تناظر میں بیان کرتی ہیں، جو ظلم، جبر اور ضمیر فروشی کی علامت بنتی ہیں۔

**۴۔رومانوی رنگ اور جذبۂ محبت:**

ان کی کئی غزلیں عشقِ مجازی کی وارداتوں سے پُر ہیں، لیکن ان میں محض جذباتی وابستگی نہیں بلکہ فکری نزاکت بھی ہے۔مثلاً:

زخم پہلے بھرے نہیں میرے
تُو نے پھر سے کمان کس لی ہے

یہ اشعار جذباتی چوٹ اور انسانی بے وفائی کا استعارہ بن جاتے ہیں۔

**۵۔ سماجی و سیاسی شعور:**

نقیبؔ کی شاعری میں ایک باشعور فنکار کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ اندھیرے، بے حسی، اور مظالم پر احتجاجی لہجے میں سوال اٹھاتے ہیں:

یہاں جھوٹ پرور ہیں تخت پر، یہاں بے ضمیر ہیں راہبر
یہاں راستے، یہاں منزلیں سب ہیں لاپتہ، ذرا سوچیے

**۶۔ بیانیہ قوت:**

عارف نقیبؔ کی بیانیہ شاعری خاصی مؤثر ہے۔ وہ مکمل کہانی یا کیفیت کو چند اشعار میں باندھنے کا ہنر جانتے ہیں، جیسے:

؎ میں کہ تھک کے سو یا ہوں نا جگا مجھے اور بھی کئی کام ہیں

یہاں تھکن اور زندگی کے دیگر تقاضوں کے بیچ کشمکش کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔

**۷۔ فنِ غزل اور نظم میں مہارت:**

ان کی غزلیں کلاسیکی انداز اور جدید شعور کی آمیزش ہیں جبکہ مکالماتی نظموں میں وہ

نئے لب و لہجے کے ساتھ۔ قاری کے دل تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ عارف پرویز نقیب ایک باشعور، فکری و جذباتی شاعر۔ ہیں۔ ان کے کلام میں درد کی گونج، سماج کی جھلک، اور عشق کی سچائی موجود ہے۔ وہ الفاظ کے ساتھ فلسفہ اور جذبہ بُنتے ہیں۔ ان کی شاعری صرف پڑھنے کی نہیں، محسوس کرنے کی چیز ہے۔

یہ کہنا بجا ہوگا کہ ان کی شاعری دل کی زبان، اور سماج کا آئینہ ہے۔

**ہاجرہ نورزریاب**

اکولہ، مہاراشٹر

بھارت

# عارف پرویز نقیب:
# روایت اور جدت کا حسین امتزاج

پیش نظر جناب عارف پرویز نقیب صاحب کے متفرق اشعار ہیں۔

یہاں نام کی برکت واضح طور پر نظر آ رہی ہے پیشہ ورانہ شاعری کے لیے ایک کثیر مجمع کی خواہشات کو مدنظر رکھا جاتا ہے مگر طبعی شعر گوئی کے لیے اس میدان میں کوئی قید و بند نہیں ہے، جہاں دل دھڑکنا شروع ہو جائے شعر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شعر گوئی کے لیے طبیعت داری پہلی شرط ہے۔

اردو شاعری کا دامن ہمیشہ سے تہذیبی، اخلاقی اور فلسفیانہ افکار سے بھرا رہا ہے۔ ہر عہد میں ایسے شعرا پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے ماحول، تجربات، اور مشاہدات کو اشعار میں اس طرح پرویا کہ وہ قارئین کے دل میں اتر گئے۔ عارف نقیب پرویز صاحب کا شمار انہی شعرا میں ہوتا ہے جنہوں نے جدید اردو غزل کو ایک فکری گہرائی عطا کی۔ ان کی شاعری میں سچائی، صداقت، خودی، اخلاقی تربیت، اور انسان دوستی جیسے عناصر نمایاں نظر آتے ہیں۔

یہاں انصاف بکتا ہے تو منصف بھی
تمھیں میں نے کہا تھا نا جگہ بدلیں

یہ ہر دور کا المیہ رہا ہے لیکن دور حاضر میں یہ شعر کس طرح صادق اتر رہا ہے یہ غور فکر عارف نقیب پرویز کے اس شعر میں بہ خوبی نظر آ رہی ہے۔

عارف نقیب پرویز کی غزلیں نہ صرف فکری گہرائی کی حامل ہے بلکہ اردو غزل کی روایت کو نئے انداز سے پیش کرنے کی کامیاب کوشش بھی ہے۔ ان کی شاعری اخلاقی درس، خودی کا فلسفہ، انسان دوستی، اور روحانی بالیدگی کا مظہر ہے۔ عارف پرویز نقیب صاحب کی غزلیں جدید اردو غزل کے لیے ایک نمونہ بن سکتی ہے، جس میں خوبصورتی کے ساتھ فکری اور اخلاقی پیغام بھی موجود ہے۔

عارف نقیب پرویز صاحب کے یہاں ذاتی تجربات و مشاہدات کی بڑی فراوانی

ہے جو دیکھتے ہیں وہی سوچتے ہیں اور جو سوچتے ہیں وہی لکھتے ہیں۔

مشکل کہنا بہت آسان ہے، مگر آسان کہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ عارف پرویز نقیب صاحب کے یہاں اس جملہ کی حقیقت صاف نظر آتی ہے۔ اگر نقیب صاحب ادبی منچوں پر ہوتے تو بہتوں کا چراغ گُل کر سکتے تھے، مگر اُنکی درویشی اور قلندری زندگی کی تمام قدروں کا نظارہ اپنی حساس آنکھوں سے کرتی ہے بلکہ یوں کہا بے جا تو بالکل غلط نہ ہوگا کہ اُنکی شاعری میں یہ جو قلندری کی رنگا رنگی ہے وہ اُنکے خاندانی اور نسبتی عظمتوں کی عطاؤں کی برکت ہے۔ آیئے رنگِ اشعار دیکھتے ہیں:

جسم زندہ ہیں خواہشیں لے کر
مر گئی ہے وفا سو خاموشی

امیر شہر تو دنیا کی واہ واہ پہ نہ جا
تو میرے سچ کو سمجھ لے مری قبا پہ نہ جا

کتنا بلند جھوٹ کا سر کر دیا گیا
اسطرح سچ کو شہر بدر کر دیا گیا

ہماری گلیوں میں رقصاں ہے بھوک ہر جانب
تو خاک سوچ کو رنگ جمال دے کوئی
در دریچے سبھی کھلے رکھے
سن نہ پائے صدا سو خاموشی

مندرجہ بالا اشعار میں زندگی اور معاشرہ کی ساری رنگت صاف نظر آتی ہے۔ یہاں لفظیات کی بندش اور موضوعات کی ترتیب میں جس حسّاس ذہن سے کام لیا گیا ہے یہ نقیب صاحب کا اپنا حصہ ہے۔ یہاں روایت اور جدت کا متناسب اور متوازن امتزاج ملتا ہے وہ ان اشعار میں شعریت اور کیفیت کی ضرورت اور اہمیت کے قائل معلوم ہوتے ہیں، زبان وبیان کی اشاریت سے کام لیکر نئے محسوسات وتجربات کے اظہار کو جاذب بنا دیتے ہیں۔ اس کے لیے میں ہی نہیں ہر کوئی اُنہیں مبارکباد کا مستحق ٹھہراتا ہوگا۔نقیب صاحب کی شاعری ہر لحاظ سے قابل قدر ہے اس مجموعۂ سخن ُسقوطِ عشق سے پہلے ٗ کو قارئین کے لیے بہت پہلے آنا چاہیے تھا پھر بھی اسکی آمد سے ہم سب کو انبساط کا احساس ہو رہا ہے خدا کرے غزل کی یہ بابرکت آواز شاعری کی سچی قدروں کی نمائندہ بن کر گوجرانوالہ اور کراچی پاکستان کی تہذیبی کلاسکیت اور شعری روایت کو تابندہ کرتی رہے۔ نیک خواہشات کے ساتھ

**نصرت عتیق گورکھپوری**

گورکھ پور، یوپی بھارت

# فاختہ فاؤنڈیشن کے لئے لمحۂ صد افتخار

محترم عارف پرویز نقیبؔ صاحب کا دوسرا شعری مجموعہ ''سقوطِ عشق سے پہلے'' فاختہ فاؤنڈیشن کی پہلی باضابطہ ای پبلیکیشن ہے جو ہمارے لئے بطورِ ادارہ ایک نہایت پُرمسرت اور قابلِ فخر بات ہے۔

فاختہ فاؤنڈیشن کو یہ اعزاز ملنے پر ہم سب سے پہلے خُدائے ذوالجلال کے شاکر و سپاس گزار ہیں اور ساتھ ہی ساتھ جناب عارف پرویز نقیبؔ صاحب کے بھی ممنون ہیں۔

---

اگر آپ بھی اپنی نگارشات کو متن یا ای کتاب کی شکل میں فاختہ پر شائع کرانا چاہتے ہیں تو آج ہی ہم سے رابطہ کریں۔

آپ کی خدمت میں پیش پیش

اسٹیفن رضاؔ

(بانی رسی ای او اینڈ سینئر ڈیویلپر، فاختہ ڈاٹ آرگ)

Whatsapp: +92-333-8684-282

# حمد

سما و ارض میں ربطِ فنا ہے بس یہی کچھ ہے
کہ ہر شے ہی یہاں محوِ دعا ہے بس یہی کچھ ہے

اسی کے در پہ جھکتی ہے جبینِ خرد و حکمت بھی
دلیلِ خرد کو تو یہ عطا ہے بس یہی کچھ ہے

عروجِ آدمیت بھی زوالِ آدمیت ہے
وہی تو ہے سدا سے وہ سدا ہے بس یہی کچھ ہے

ہمارے درد کو بھی وہ سمجھتا ہے سوا ہم سے
وفا ہے وہ بقا ہے وہ شفا ہے بس یہی کچھ ہے

اسی نے آگہی دی ہے نقیب ہم کو تو جینے کی
وہ جس کو سجدۂ عالم روا ہے بس یہی کچھ ہے

یہ میری بستی میں شور سا ہے ، بہت دنوں سے
یہاں سے روٹھا ہوا خدا ہے ، بہت دنوں سے

بہت دنوں سے چراغ اپنے جلا رہے ہیں
کہ سر پھری یہ چلی ہوا ہے، بہت دنوں سے

غبار چھایا ہے فکر وفن پہ تو دل یہ میرے
یہ سانپ سا کوئی پھر رہا ہے، بہت دنوں سے

گھسٹ رہی ہیں یہ شہر میں میرے زندہ لاشیں
اور اُن پر رقصاں عجب بلا ہے ، بہت دنوں سے

ہیں بے اثر سی نہ جانے کیوں یہ عبادتیں بھی
کہ بے اثر سی ہر اک دعا ہے ، بہت دنوں سے

کیسے پکاریں، کیسے صدا دیں، کیسے بلائیں
کہ دل بھی ہم سے خفا خفا ہے، بہت دنوں سے

نقیب اُس نے بھی آج ہم سے کیا ہے شکوہ
تم کہاں پر ہو، کیا ہوا ہے؟ بہت دنوں سے

نہیں معلوم کہ میں وقت کے کس امتحاں میں ہوں
یقیں ہے اس کی چاہت کا کہ پھر بھی گم گماں میں ہوں

نجانے کون سمجھے گا یہ راز بندگی میرا
ہوا ہوں خاک سے پیدا شمار آسماں میں ہوں

نجانے گتھی کب سمجھے الجھتا جا رہا ہوں میں
کہ عابد لامکاں کا ہوں مگر خود کیوں مکاں میں ہوں

یہاں تو روشنی دینے پہ جگنو قتل ہوتے ہیں
کہاں پہ آ گیا ہوں میں نجانے کسی جہاں میں ہوں

میں خود اپنے مقابل ہوں یہ کیسی جنگ ہے میری
میں کارِ خیر میں ہوں اب کے یا کارِزیاں میں ہوں

بتا دوں فاصلہ کیا تھا جو کم ہونے سے پہلے تھا
یہ قصہ دارِ ہستی میں تو ضم ہونے سے پہلے تھا

وہ میرے ہاتھ میں پھولوں بھری ٹہنی کی مانند تھا
سے مگر یہ شرف بھی تو آنکھ نم ہونے سے پہلے تھا

کبھی میں چیخ اٹھتا تھا ۔۔۔ خراشِ آدمیت پر
میرا یہ ظرف بھی تو درد کم ہونے سے پہلے تھا

وہ عہد بے خودی حاصل نا آخر ہو سکا ہم کو
وہی جو جذبہ چاہت کے کم ہونے سے پہلے تھا

تجھے بھی ناز تھا خود پہ امیر شہر قوت کا
یہ سب تو ٹھیک ، میرا سر قلم ہونے سے پہلے تھا

تبسم ریز اندازِ بیاں اک دور تھا لیکن
محبت کا یہ افسانہ ، الم ہونے سے پہلے تھا

اُمیدِ وصل میں یہ خوش گماں دل بھی دھڑکتا تھا
مگر یہ واقعہ بھی رزقِ غم ہونے سے سے پہلے تھا

نقیب اب آسمانوں کی طرف نہ دیکھ حسرت سے
یہ سب خود پہ مگر قائم بھرم ہونے سے پہلے تھا

ہائے وہ خوش خصال کہ کچھ بھی کہا نہیں
آئے کئی سوال کہ کچھ بھی کہا نہیں

کہنے کو اتنا کچھ تھا کہ گھنٹوں گزار دیں
تم کو نہ ہو ملال کہ کچھ بھی کہا نہیں

اِس شہر ناروا میں تو مرنا توہین تھا
جینا تھا گو محال کہ کچھ بھی کہا نہیں

سب نے منافقت کو گلے سے لگا لیا
ہر شے پہ تھا زوال کہ کچھ بھی کہا نہیں

اُس کم نگہ کی سوچ پر کڑھتے تو کیا بھلا
ازبر تھا میرا حال کہ کچھ بھی کہا نہیں

# میں آنکھیں بند نہیں کرتا

میں آنکھیں بند نہیں کرتا
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
ذرا آرام کرنا ہو
ذرا سا اونگھنا ہی ہو
تھکاوٹ بھی بلا کی ہو
بدن دن بھر کی محنت سے
تھکن سے چُور ہوتا ہو

کہ گویا ٹوٹتا سا ہو
کہ بوجھل ہوتی ہوں پلکیں
جلن آنکھوں کو ڈستی ہو
سبھی اعصاب دُکھتے ہوں
مجھے اک خوف رہتا ہے
کہ تُو کب آنکھ میں اُترے
مرے الجھے ہوئے خوابوں میں
کہ تو نہ پھر سے در آئے
میں آنکھیں بند نہیں کرتا

ذہنوں میں بھرا دُور اندھیرا نہیں ہوگا
یہ شہر بھی جل جائے اجالا نہیں ہوگا

رہ جائیں گے گلیوں میں کفن پوش اندھیرے
سورج تو طلوع ہوگا سویرا نہیں ہوگا

اے دیدہ خوش آج اسیری سے نکل جا
کل حسن سے بچنے کو بھی رستہ نہیں ہوگا

گرتی ہے جو دیوار انا ہوتا ہے کیا کیا
آ دیکھ کہ تو نے بھی یہ دیکھا نہیں ہوگا

بن جائیں نہ یہ بچھڑی محبت کا حوالہ
گلدان میں وہ پھول سجاتا نہیں ہوگا

اب غرفہ ٔچاہت کو کھلا رکھنے سے حاصل
باہر تو کوئی پیار کا جھونکا نہیں ہوگا

ہر سمت نقیب آج لہو ارزاں ہے جتنا
اتنا تو کہیں پانی بھی سستا نہیں ہوگا

کھوج آیا ہوں اُسے اِس پار سے اُس پار تک
رک گیا ہوں بس میں آ کے رسموں کی دیوار تک

چل رہا تھا ساتھ میرے ایک مدت سے مگر
آ نہ پایا جانے کیوں ؟ اک لمحہ اظہار تک

جانے اس نے طے کیا ہے کیا اذیت کا سفر
وعدہ و اقرار سے اِس لہجہ انکار تک

بے وفا ہوتا تو رخصت رو کے نہ ہوتا کبھی
ورنہ وہ تو آ گیا تھا سر تا پا اقرار تک

اب نقیبؔ اُن سے کوئی شکوہ بھی ہو تو کیا کریں
یہ تو سارا معاملہ تھا بس کہ اک اعتبار تک

ہم جو پتھر بنا دیے جاتے
ہم کو سجدے ادا کئے جاتے

بات دل کی تھی جان جاورنہ
تم تو کب کے بھلا دیے جاتے

ہم میں وصفِ گدا گری نہ تھا
ورنہ تم کو صدا دیے جاتے

بس میں ہوتا تو تیری یادوں کے
سب پرندے اڑا دیے جاتے

بس کے ہمت نہیں پڑی ورنہ
خط تمہارے جلا دیے جاتے

آگ دل میں لگی نقیب تو کیا
پاس رہتے ہوا دیے جاتے

یہ جھوٹ موٹ کے منظر ہٹانے ہوں گے مجھے
یہ چلتے پھرتے مقابر گرانے ہوں گے مجھے

میں آندھیوں کے مقابل کھڑا ہوں دیکھ تو لو
بچانے سارے ہی اب آشیانے ہوں گے مجھے

اگر ہے مر گیا انساں میرے اندر کا
نشان سجدوں کے سب ہی مٹانے ہوں گے مجھے

میں پیڑ اوڑھ کے نکلا ہوں ریگزاروں میں
پرندے شاخوں پہ پھر سے بلانے ہوں گے مجھے

میرے وطن کی فضاؤں میں رچ گئی نفرت
نجا نے لاشے یہ کتنے اٹھانے ہوں گے مجھے

نقیب پاؤں تلے جو یہ گل کچلتے ہیں
انہیں کی راہ میں کانٹے بچھانے ہوں گے مجھے

دیارِ شب میں کہیں روشنی نہیں ملتی
ملی ہے عمر مگر ۔۔۔ زندگی نہیں ملتی

وہ بے وفا بھی نہیں ہے تو کیسے روٹھ گیا
ہزار کوششیں کرلیں کڑی نہیں ملتی

اُسے نہ ڈھونڈو کہیں خود کو نہ گنوا دینا
کہ راہیں ملتی ہیں، منزل کبھی نہیں ملتی

ہے بے ثبات محبت ہے قحط عشق و جنوں
کہ شہر جاں میں کہیں بھی خوشی نہیں ملتی

نقیبؔ رقص میں گویا عداوتیں ہر سو
کہ لاکھ ڈھونڈو مگر دوستی نہیں ملتی

# ''خوش فہم''

بڑی خوش فہم لڑکی تھی
اسے معلوم ہی نہ تھا ہی
کہ آنسو کس کو کہتے ہیں
کہ یہ فرقت بلا کیا ہے
غم و رنج کی ہوا کیا ہے
ہتھیلی پر بڑے چاؤ سے
میرا نام لکھتی تھی

جدا ہم ہو بھی سکتے ہیں
اُسے معلوم ہی نہ تھا
وہ ان باتوں پر ہنستی ہے
کہ اُسکی جھیل آنکھوں کے
کنارے ٹوٹ سکتے ہیں
اُسے جن پہ بھروسہ ہے
کنارے ٹوٹ سکتے ہیں
نہ تھا ادراک قسمت کے
ستارے ٹوٹ سکتے ہیں
اسے اسے کوئی وہم سا تھا
کہ شاید اک گماں سا تھا
کہ میں ہی اُس کا رستہ ہوں
کہ میں ہی اس کی منزل ہوں
ہر اک طوفان میں گویا
فقط میں اُس کا ساحل ہوں

جھلستی دھوپ میں جاناں
میری چھایا تو بس تم ہو
وہ کہتی تھی
میرا حاصل، میری دولت
یہ سرمایہ تو بس تم ہو۔
وہ کہتی تھی
مرا ہر خواب تم سے ہے
میری تعبیر بھی تم ہو
وہ کہتی تھی
مِرا حرف تخاطب تم
میری تحریر بھی تم ہو
وہ کہتی تھی
تجھے میں چھوڑ کے جاؤں
یہ ناممکن ہے ناممکن
ترا دل توڑ کے جاؤں

یہ ناممکن ہے ناممکن
میرے سپنوں کی دنیا میں
فقط تیرا بسیرا ہے
میں کہتی ہوں تو میرا تھا
میں کہتی ہوں تو میرا ہے
میری آنکھوں میں بس تم ہو
میری سانسوں میں نہیں تم ہو
کہ میں مشروط ہوں تم سے
کہ بس مربوط ہوں تم سے
میں لڑ جاؤں گی کچھ بھی ہو
تیری خاطر زمانے سے
وہ کہتی تھی
مجھے تو ڈر نہیں لگتا
کوئی بھی غم اٹھانے سے
وہ کہتی تھی

میری تو زندگی تم ہو
میری تو روشنی تم ہو
بہت کچھ میں نہیں کہتی
کہ جو بھی ہو سبھی تم ہو
اُسے کوئی بغض سا تھا
روایات زمانہ سے
کہاں تسلیم کرتی تھی
سماجی بندھنوں کو وہ
کوئی قانون بھی ہم کو۔۔۔
نہ روکے گا وہ کہتی تھی
ہمیں بس ساتھ رہنا
بڑے ہی عزم و ہمت سے
محبت سے۔۔۔
وہ کہتی تھی
میں کر دوں گی رواجوں سے

بغاوت دیکھ لینا تم
میں کیسی ہوں، میں جیسی ہوں
تمہاری ہوں، وہ کہتی تھی
تمہارے دل کی دنیا کی
فقط میں ہی تو باسی ہوں
وہ کہتی تھی
کہ سینہ ٹھونک کے اکثر
کروفر سے وہ کہتی تھی
میں تیری ہوں، میں تیری تھی
پھر وہ کھو گئی آخر
اسی گنجان دنیا میں
نجانے اب کہاں ہو گی
بڑی خوش فہم لڑکی تھی

وفا کی حد سے جو باہر نکل گیا ہوتا
یقین جانو کہ کب کا بدل گیا ہوتا

نہ آئے آنکھ سے باہر کہ آنسو دل پہ گرے
مکان کب کا وگرنہ یہ جل گیا ہوتا

وہ تو اک باڑ لگالی تھی ضبط کی میں نے
یہ دریا آنکھ کا وربنہ اُچھل گیا ہوتا

تیری نظر کا فسوں تھا میں زیرِ دام آیا
اے کاش لمحہ قیامت کا ٹل گیا ہوتا

وہ مِری آنکھیں تیرے پاس رہ گئیں ورنہ
میں تیرے شہر سے کب کا نکل گیا ہوتا

وہ بار بار کی قسموں پہ اعتبار کیا
نقیبؔ ورنہ میں گر کے سنبھل گیا ہوتا

خط تجھے لکھنے لگا تو انگلیاں جلنے لگیں
یوں بھری برسات میں بھی ٹہنیاں جلنے لگیں

کسی قدر سُلگے ہوئے ہیں پھول بھی تو آج کل
جس جگہ بیٹھی بے چاری تتلیاں جلنے لگیں

ایک سچ بولا تھا میں نے اور اس پاداش میں
جھوٹ کے دوزخ میں ساری نیکیاں جلنے لگیں

روشنی دم توڑ نہ دے شہر میں میرے نقیبؔ
ٹوٹ کے بکھرا تو مری کرچیاں جلنے لگیں

منزلیں صلیبوں کی راستے صلیبوں کے
میرے ساتھ چلتے ہیں سلسلے صلیبوں کے

لفظ لکھتا ہوں اگر حرف پڑھتا ہوں اگر
میری سوچ سے جڑے رابطے صلیبوں کے

درد و غم و ہجرتیں، جان جا بہانہ ہے
ہم تو پیدا ہی ہوتے واسطے صلیبوں کے

کب مٹے تھے یہ کبھی نہ مٹیں گے یہ کبھی
ہم نے خوں سے جو لکھے ضابطے صلیبوں کے

چشم جان کی روشنی ، گیسوؤں کے سائے ہوں
ہم پہ پھر بھی گزریں گے حادثے صلیبوں کے

ہم نقیبؔ روشنی ، ہم صدائے جرسِ نو
روکتے ہیں کب ہمیں وسوسے صلیبوں کے

اب سبھی پندار کے قصے گئے
اب صلیب و دار کے قصے گئے

توڑ دی ہیں سب نے اپنی سولیاں
سچ مرا، اقرار کے قصے گئے

جب کتابیں طاق نسیاں ہو گئیں
غافل و بیدار کے قصے گئے

آستیں میں ہوتا ہے بارود اب
خنجر و تلوار کے قصے گئے

نفرتوں کی داستانیں عام ہیں
اب وفا و پیار کے قصے گئے

جھوٹ کیا بولا زباں ہی کاٹ لی
لیجیے اظہار کے قصے گئے

گھر نقیب اب چل پڑے ہیں چھوڑ کر
اب در و دیوار کے قصے گئے

ہر طرف خوف کی بنیاد اُٹھانے والو
تمہیں بھی مٹنا ہے اک روز مٹانے والو

آ ہی جائے گا کسی سمت سے کوئی موسیٰ
بحرِ ظلمت میں یہ طوفان اٹھانے والو

خانۂ ضبط میں یوں قید کرو نہ ہم کو
جلنا پڑ جائے نہ تم کو بھی جلانے والو

بادباں کھول لئے ہم نے بھی اب دیکھتے ہیں
تم میں دم کہتا ہے گرداب بنانے والو

کب تلک اپنا دفاع کرتے رہو گے آخر
وار بھی کر لو فقط جان بچانے والو

روشنی پھوٹی تو کچھ بھی نہ دکھائی دے گا
یوں اندھیرے میں کئی تیر چلانے والو

اب کے سیلابِ بلا تم کو ڈبو دے شاید
زندگی موت کے پہلو میں بٹھانے والو

مجھے تم مار ڈالو گے ، چلو پھر دیکھ لیتے ہیں
میری پگڑی اچھا لو گے ، چلو پھر دیکھ لیتے ہیں

مجھے دھمکانے سے کیا ہے ، ہے میرا سر ہتھیلی پر
میرا یہ سر جھکا لو گے ، چلو پھر دیکھ لیتے ہیں

نہ دنیا ہی بنی تم سے ، نہ اپنی عاقبت سنوری
ارے کیا کیا کما لو گے ، چلو پھر دیکھ لیتے ہیں

میری رگ رگ میں جرات ہے صداقت ہے دیانت ہے
مجھے کیا تم مِٹا لو گے ، چلو پھر دیکھ لیتے ہیں

ابھی ہیں سرفروشانِ کلیسا کئی قطاروں میں
لہو کتنا بہا لو گے ، چلو پھر دیکھ لیتے ہیں

آنکھوں میں کیسا دھند کا منظر اتر گیا
وہ شخص پاس آیا تو آکر گزر گیا

کوئی تو زخم اُس نے بھی کھایا ہے منفرد
یہ اُس سے پُوچھیے جو سرِشام گھر گیا

نکلا تھا گھر سے جوڑ نے ٹوٹے ہوؤں کو میں
ان کوششوں میں ٹوٹ کے خود ہی بکھر گیا

شامل تھا جرمِ چاہ میں وہ بھی تو دوستو
الزام جرمِ چاہ کا جو مجھ پہ دھر گیا

میں تیرا عزم دیکھ کے حیران ہوں نقیبؔ
یہ کہہ کے اپنے آپ ہی دریا اتر گیا

# ''کرونا''

اجل تیرتی پھر رہی ہے ہوا میں
کہ اڑتا ہوا زہر سے اس فضا میں
زمیں گنگ ہے اور آسمان دم بخود
اثر ہے دوا میں نہ کوئی دعا میں
کہاں ''چُو'' کی دھرتی کا اب دبدبہ ہے
کہ بند ہو گیا جیسے ہر راستہ ہے
ہے لاوز لے'' کی روح بھی پشیماں پشیماں

یہ خطہ عظمت بھی روتا ہوا ہے
''کولمبس'' کی دھرتی بھی نوحہ کناں ہے
جیسے زعم تھا کہ ہر اک شے یہاں ہے
تھا دعویٰ جسے کہ ہے طاقت اسی کی
کرے کیا وہ خود بھی تو از حد حیراں ہے
یہ مغرب کا مغرب ہی زیرِ وبا ہے
نہ ''جرمن'' بچا ہے نہ ''اٹلی'' بچا ہے
فسردہ فسردہ سی ہے روحِ ''نطشے''
کہ ''گوئٹے'' کا لاشہ کہیں رو رہا ہے
''اشوکا'' کا بھارت لرز سا اٹھا ہے
کہ ہر اک انساں ہی بے بس پڑا ہے
ہے گریہ کناں اب ''بھگت سنگھ'' کہیں پہ
کہ ہر گاندھی پر نہرو سہما ہوا ہے
مِری بھی تو دھرتی یہ زیر و زیر ہے
کہ ہو جائے کب کیا یہ کس کو خبر ہے

ہے اب روح ''قائد'' فسردہ فسردہ
کہ ہر چہرے پہ چھایا خوف وخطر ہے
ہے تو سب کا رازق تو سب کا خُدا ہے
تیرے سامنے پھیلا دستِ دعا ہے
میرے مولا آفت یہ اب ٹال دے تُو
تُو ہی مارتا ہے تُو ہی بخشتا ہے
یہ کیا ہو رہا ہے کہ اب کیا ہے ہونا
ترے دستِ قدرت میں ہے یہ ''کرونا''

میں تیرا تھا ، میں تیرا ہوں، اُسی عہد و پیماں پہ میں
کہ قائم ہوں میری جاناں اسی اپنے بیاں پہ میں

نہ تیرا ہاتھ ہاتھوں میں نہ جشنِ محفلِ یاراں
چلا تھا کسی جگہ سے میں کھڑا ہوں اب کہاں پہ میں

نظام عدل صادر ہے اگر یہ آسماں سے ہی
تو جی چاہے کہ دے ماروں زمین کو آسمان پہ میں

یہاں گونگے، یہاں بہرے، یہاں اندھے ہی بستے ہیں
کہ تیرے شہر میں ٹھہرا تھا جانے کس گماں پہ میں

کسی دن آ کے سن لینا، نقیبؔ غم کا قصہ بھی
لیے بیٹھا ہوں برسوں سے تری خاطر زبان پہ میں

کبھی بدحال بدلیں گے ؟ یہ ممکن ہے کہ نا ممکن
یہ ماہ و سال بدلیں گے ؟ یہ ممکن ہے کہ نا ممکن

کبھی مضرابِ چاہت سے نیا نغمہ بھی اُبھرے گا؟
کبھی سُر تال بدلیں گے ؟ یہ ممکن ہے کہ نا ممکن

ہیں کتنے بھیڑیے بھی بھیڑ کی کھالوں میں پوشیدہ
کبھی یہ کھال بولیں گے ؟ یہ ممکن ہے کہ نا ممکن

میری بس یہ گزارش ہے یوں نعرے مارنے والو
یہ قیل و قال بدلیں گے ؟ یہ ممکن ہے کہ ناممکن

یہ دیں کے نام پر جو اوڑھ کے نفرت چلے آئے
وہ اپنی شال بدلیں گے ؟ یہ ممکن ہے کہ ناممکن

بساطِ وقت پہ اپنے یہ پنجے گاڑنے والے
یہ اپنی چال بدلیں گے ؟ یہ ممکن ہے کہ نا ممکن

یہ کیا ہوا دلوں کا توازن بگڑ گیا
کیسے محبتوں کا توازن بگڑ گیا

راہزن نے کی تھی دشمنی راہبر کے بھیس میں
رستے میں قافلوں کا توازن بگڑ گیا

اک مفلسی کی دھوپ کیا اُتری ذرا سی دیر
پل بھر میں دوستوں کا توازن بگڑ گیا

یکدم وفا نواز بھی پتھر کے ہو گئے
کیوں جانے گل رتوں کا توازن بگڑ گیا

کروٹ ذرا زمین نے بدلی تو دیکھیے
پل بھر میں سب گھروں کا توازن بگڑ گیا

ایسا نہیں! کہ اس نے صدا دی نہ ہو مجھے
شاید کہ رابطوں کا توازن بگڑ گیا

اب کے نقیبؔ سوچ کے دھارے بدل گئے
اب یہ کہ سر پھروں کا توازن بگڑ گیا

کیا بتلائیں کیا کیا گزرے سال کیا
بھاگتے دوڑتے خود کو ہے بد حال کیا

پچھلے برس کی خاک اُتاری چہرے سے
سال نو کی دھول نے استقبال کیا

گزرے برس صیاد نے پھندے ڈالے تھے
اب کے برس تیار نیا اک جال کیا

نعرے خالی پیٹ لگائے اوروں کے
جس نے جیسے چاہا استعمال کیا

پچھلے برس کیوں ہم نے بھوک ہی کاٹی ہے؟
کٹ جائے گا سر جو یہ ہی سوال کیا

مرتے ہیں یہ لوگ تو بھوک سے مر جائیں
وہ ہی کام حکومت نے اِس سال کیا

لوگوں نے تو بُوٹ نقیبؔ ہی چاٹے ہیں
اونچا یوں ہے وردی کا اقبال کیا

میں قفس کو آشیاں کیسے لکھوں
جو نمایاں ہے نہاں کیسے لکھوں

جاگتے ہیں خواب اندھی آنکھ میں
ان کا میں طرزِ بیاں کیسے لکھوں

واعظ نے ہے اب ریاضت چھوڑ دی
اس یقین کو میں گماں کیسے لکھوں

اب تو ہر اک ہے خدا کے بھیس میں
میں مکاں کو لامکاں کیسے لکھوں

مفلسی ہے چار سو بکھری ہوئی
آسماں کو سائباں کیسے لکھوں

خود ہی لی تھی چھوڑ جانے کی قسم
اور خود سے بدگماں کیسے لکھوں

تو نقیب اُس کی پہنچ سے دُور ہے
آنا چاہے وہ کہاں کیسے لکھوں

اُڑتی ہے آگ درد بگولوں کی آڑ میں
اب ان کا کیا جو چھپ گئے اشکوں کی آڑ میں

رستوں کی دھول کھا گئی قدموں کے سب نشاں
کس کس کو آج ڈھونڈتے آہوں کی آڑ میں

اتنا میں جانتا ہوں کہ پتھر کبھی نہ تھا
کچھ سخت ہو گیا ہے وہ رشتوں کی آڑ میں

مرجھا گئے ہیں دیکھیے ! کتنا سنبھالتے
رکھے ہوئے وہ پھول کتابوں کی آڑ میں

اب کے نقیبؔ دیکھنا یہ نہ چھلک پڑیں
آنسو چھپے ہوئے ہیں جو پلکوں کی آڑ میں

اب نہ ملنے کی کبھی بھی استدعا
نقیبؔ اس سے بس ہے اتنی استدعا

اُس کی آنکھوں میں یقین تھا ہجر کا
پھینک دی میں نے بھی اپنی استدعا

میں بھی تو ہوں دربدر ، ہمراہ مرے
راستوں پہ سر پٹختی استدعا

خواب صدیوں کے سمٹ کے گویا پل بھر آ گئے
جانے کس کے کہنے پر وہ اب مرے گھر آ گئے

جانے کیا افتاد ٹوٹی ، جانے کیا طوفاں اُٹھا
خاکسارانِ شہر زیر تکبر آ گئے

میں بھلا بیٹھا تھا جس کو آج اس کو دیکھ کر
خواب سارے آنکھ کی کھڑکی سے اندر آ گئے

چھوٹے لفظوں کی لیے بیساکھیاں اب دیکھیے
کتنے کوتاہ قد ہیں جو میرے برابر آ گئے

دیکھنے کو وہ تو میرے شہر کے باسی ہی تھے
قتل کرنے جانے میرا کس کی خاطر آ گئے

اب نقیبؔ احساس ہے یہ فقط کارِ زیاں
جن کی خاطر ہم دکھوں کی راہ گزر پر آ گئے

اگر میں وقت کو اپنے دھیان میں رکھتا
تو کیسے تجھ کو میری جاں ، جان میں رکھتا

اگر نہ ہوتی تیری سمت سے یہ سنگ باری
تو تیر میں بھی آئے جاناں کمان میں رکھتا

اگل دیا ہے میری آنکھ نے سبھی ورنہ
یہ آگ اپنے مکاں کی ، مکان میں رکھتا

# گیت

ڈوبتا دِل تری یادوں کا کنارا مانگے
کتنا نادان ہے تنکے کا سہارا مانگے

کھو گیا جس کے لئے ہم نے گنوایا خود کے
اجنبی شہر میں آئے تو مٹایا خود کے
جانے کیوں گزرا ہوا وقت دوبارہ مانگے

اس کی زلفوں کی مہک سانس میں اتری جیسے
کہ کہکشاں سی کوئی آنکھ میں بکھری جیسے
کس لئے آنکھ وہی پھر سے نظارہ مانگے

تیری یادیں ہیں کہ اِس دِل کا نگر لُوٹتی ہیں
ہجر کا درد ہے ایسا کہ رگیں ٹوٹتی ہیں
پھر سنبھل جائے یہ دل تیرا اشارہ مانگے

مِرے مدار سے مجھ کو نکال دے کوئی
فلک کی سمت ہی مجھ کو اچھال دے کوئی

میرا خیال ہے تجھ کو تو آسماں والے !
کسی کو جو نہ دیا ہو خیال دے کوئی

ہیں ارد گرد جو میرے حصار کی صورت
کہ زہر سانپوں کا اب تو نکال دے کوئی

تیرا وقار سلامت مرے جواب طلب
جواب لینے سے پہلے سوال دے کوئی

ہماری گلیوں میں رقصاں ہے موت ہر جانب
تو خاک سوچ کو رنگ جمال دے کوئی

ہم کو تو سب وفا کے تقاضے عزیز تھے
یعنی محبتوں کے ارادے عزیز تھے

کچی سڑک پر موٹریں چلنے کے باوجود
ہم کو تو اپنے گاؤں کے تانگے عزیز تھے

زردار کو دوائیوں سے فرصت نہ مل سکی
ہم تھک کے سو رہے تھے کہ سپنے عزیز تھے

اپنے لہو میں انگلیاں ہم نے ڈبو ہی لیں
لیکن اُسے بے رنگ سے خاکے عزیز تھے

ہم نے تو دی تھیں اس کو بِنا تول چاہتیں
اس بے وفا کو پیار کے ساشے عزیز تھے

جانے وہ کس گلی میں رہائش پذیر ہو
ہم کو تو سارے شہر کے رستے عزیز تھے

پتھرا گئے تھے فاقہ کشی کے طفیل لوگ
لیکن امیر شہر کو شیشے عزیز تھے

اس نے بھی چاند ڈھونڈ کے پہلو میں رکھ لیا
پلکوں کے اپنے ہم کو بھی تارے عزیز تھے

خط وہ جلا کے رویا میں سمجھا نہیں نقیبؔ
اس نے بچائے کیوں وہ لفافے عزیز تھے

زمیں میں پاؤں گاڑے ہیں، چھوا ہے آسماں میں نے
کہ رکھا ہی نہیں دل میں کبھی وہم و گماں میں نے

ذرا اک لغزش پا ہی تو کھائی میں گرا دے گی
یوں راہِ زیست میں رکھا ہے رستوں کا دھیاں میں نے

ترے لالچ کی گٹھری میں بندھا تھا سیم و زر لیکن
ہے چوما پھانسی کا پھندا ، نہیں بدلا بیاں میں نے

تیری جھوٹی تلاوت سے تھا سب پہ نیند کا غلبہ
قرأت جو چھیڑی سچ کی تو یوں باندھا ہے سماں میں نے

آنکھوں میں کوئی خواب کا دریا نہیں آیا
شائد مجھے سونے کا سلیقہ نہیں آیا

امید کی کچھ تتلیاں نکلا تھا پکڑنے
پھر لوٹ کے وہ صُبح کا بُھولا نہیں آیا

ہے جرمِ کبیرہ کہ میں سچ بول رہا ہوں
اس جھوٹ کی دنیا میں تو جینا نہیں آیا

تھا مجھ کو یقیں لوٹ کے وہ آئے گا اک دن
دل دیتا ہے اب طعنہ کہ دیکھا ! نہیں آیا

وہ شخص کہاں سمجھے گا سکھ چین کے معنی
وہ شخص جسے درد بٹانا نہیں آیا

کس سمت نِکل آئے ہم شوقِ سفر میں
جو اس نے دکھایا تھا وہ رستہ نہیں آیا

یہ سادہ دلی جان مری لے کے ٹلے گی
کیوں جانے نقیبؔ اس کو پرکھنا نہیں آیا

بُجھ گیا ہے دِیا سو خاموشی
تھم گئی ہے ہوا سو خاموشی

کھا گئی ہے بھوک میرے لوگوں کو
اور چُپ ہے خُدا سو خاموشی

جسم زندہ ہیں خواہشیں لے کر
مر گئی ہے وفا سو خاموشی

ملنے آیا تو شور برپا تھا
ہو گیا ہے جُدا سو خاموشی

جب سے بچھڑا عجیب عالم ہے
لب پہ ٹھہری دُعا سو خاموشی

در، دریچے سبھی کھلے رکھے
سن نہ پائے صدا سو خاموشی

اس کو کھویا نقیبؔ جب ہم نے
ہر سُو گویا خلا سو خاموشی

# ''غلط فہمی''

میں سمجھتا تھا مری جان پر بن آئے گی
تُو جو بچھڑا
اک قیامت سی میرے دل پہ گزر جائے گی
تو جو بچھڑا
ایسا تو کچھ نہ ہوا
بس ذرا کسک اُٹھی، ٹیس اُٹھی، درد اُٹھا
ایسا لگتا تھا رگ قلب کوئی کاٹ گیا
میں سمجھتا تھا کہ سمٹا ہوں بکھر جاؤں گا

تو اگر ساتھ نہ ہوگا تو میں مر جاؤں گا

ایسا تو کچھ نہ ہوا

بس ترے جانے سے چمٹی تھی میرے ساتھ جو یاد

خون معمول پر آیا تو بڑی دیر کے بعد

میں سمجھتا تھا کہ دنیا ہے مری ساتھ ترے

مری میراث میں ہیں یہ حسن ترا ہاتھ ترے

ایسا تو کچھ نہ ہوا

وہ ہی دنیا ہے، وہی شام و سحر کے منظر

بس کے تنہائی ہے، وحشت ہے مسلط مجھ پر

نہ مرا ہوں، تو نہ بکھرا ہوں، نہ دیوانہ ہوا

ایسا تو کچھ نہ ہوا

زندگی کے راستے میں یہ زیاں ہم نے کیا
تیرے حصے کا سفر بھی جان جاں ہم نے کیا

آدھ رہتے میں کہیں گم ہو گیا تو بھیڑ میں
چاہتوں کے سلسلے کو بے بیاں ہم نے کیا

تو نہ آئے گا یقیں ہونے لگا ہے اب ہمیں
سوچتے ہیں خود کو کیسے خوش گماں ہم نے کیا

سوچ کا محور تو تم تھے ، سو رہی یہ زندگی!
تم نے کیا کرنا تھا اس کو رائیگاں ہم نے کیا

راکھ ہو جاتے اگر تو یہ نقیبؔ اچھا ہی تھا
بے وجہ اس ہجر میں خود کو دھواں ہم نے کیا

یوں چاہتوں کی عدالت مرے خلاف اُٹھی
تری صدائے شہادت مرے خلاف اُٹھی

مرا مزاج تھا برہم نہ تلخ تھا لہجہ
تو کیسے تیرے طبیعت مرے خلاف اُٹھی

سحر نواز ہوں میری خطا پہ قدغن ہے
یوں ظلمتوں کی خلافت مرے خلاف اُٹھی

صلیب و دار کا داعی تھا سچ تو بول دیا
تیری غلیظ سیاست مرے خلاف اُٹھی

کھڑا تھا دشت میں احرامِ عشق باندھ کے میں
تو کیوں یہ تیری شریعت مرے خلاف اُٹھی

سگانِ کوچہ و بازار رہ میں حائل تھے
سو یوں تری ہی قیادت مرے خلاف اُٹھی

نقیبؔ دیکھنا منظر بدلنے والا ہے
لہو میں ڈوبی عقیدت مرے خلاف اُٹھی

تلاش یار میں نکلے، تلاش یار تک آئے
نہ جانے کیسے بے سایہ درو دیوار تک آئے

عجب اس نے محبت کی تو یہ بنیاد رکھ دی ہے
زباں ہی کاٹ دی اُس نے جو ہم اظہار تک آئے

جسے ہم انسان سمجھتے تھے وہ دینی راہنما نکلا
کہ یوں جوش عقیدت میں روح بیمار تک آئے

چلو اک روز آ کے مسئلہ فرقت بھی حل کرنا
کہ کیوں اقرار کی راہ سے رہِ انکار تک آئے

نقیبؔ اب غیرت و پندار کی باتیں بھلا کیونکر
کہ یوں اپنوں کے دھتکارے درِ اغیار تک آئے

چہرے تو بجا دل ہی تو دیکھے نہیں ہوتے
جو لوگ بہت ہنستے ہیں ہنستے نہیں ہوتے

جن لوگوں سے ہوں رشتے کبھی ملتے نہیں ہیں
مل جائیں کسی روز تو رشتے نہیں ہوتے

ایسا بھی کبھی ہوتا ہے منزل نہیں ہوتی
ایسا بھی کبھی ہوتا ہے رستے نہیں ہوتے

دہلیز ملے گر تو نہیں ملتی جبینیں
مل جائیں جو پیشانیاں سجدے نہیں ہوتے

انصاف کہاں ہو گا مرے قتل کا لوگو
منصف بھی میرے شہر کے سستے نہیں ہوتے

کیا ہو رہا ہے شام و سحر سوچتے رہو
کب ہو گا ختم خوف و خطر سوچتے رہو

تم بھی عجیب لوگ ہو ظلمت کے سائے میں
آئے گا کوئی موسیٰ اِدھر سو چتے رہو

سرِ راہ لُٹ رہی ہیں یہ اُمت کی بیٹیاں
ہم ہوں گے کِس کے دستِ نگر سو چتے رہو

ہم کو ملا ہے درس محبت بجا مگر
کب کوئی لوٹ جائے گا گھر سوچتے رہو

حق چھن گئے ہیں سارے تو پھر تم بھی چھین لو
ور نہ رہو یوں خاکِ بسر سو چتے رہو

بیٹھے ہو تھک کے راہ میں چل کے دو گام تم
طے ہو گا کس طرح سے سفر سوچتے رہو

تم میں کہاں ہے حوصلہ لڑنے کا اسے نقیبؔ
تم کو تو بس ہے بھوک کا ڈر سوچتے رہو

میں نہ بولوں گا تو پھر میرا خدا بولے گا
دشت تنہائی میں یہ حرف دُعا بولے گا

کاٹنا چاہو زباں میری خوشی سے کاٹو
میں نے خوں سے جو جلایا ہے دیا بولے گا

تو کہ اسرارِ بغاوت سے کہاں واقف ہے؟
کیا حقیقت ہے تیری اور تو کیا بولے گا

اب تیرے جھوٹ پر قدغن تو لگانا ہوگی
رہ گیا کون جو سچ میرے سِوا بولے گا

پھیلی ہے بھوک تو ہے بھوک قیامت جیسی
کون ہے تو ہی بتا اس پر بھلا بولے گا

سر بازار مرنے دو، پس دیوار مرنے دو
بریدہ سب ہی سر کر دو، لب اظہار مرنے دو

یہ دعویٰ امن کا کرنا فقط اک ڈھونگ ہے صاحب
یہ جھوٹے قول رہنے دو، سبھی اقرار کرنے دو

خدا را اب نہ دہراؤ پرانی داستانوں کو
میں کہتا ہوں کہانی کے سبھی کردار مرنے دو

خودی کے سب مداری گر دکاں اپنی بڑھا جائیں
انا کی کاٹ دو گردن ، کہ اب پندار مرنے دو

نقیبؔ امن کو جینے کی خواہش پہ ذبح کر دو
کہ میں جو کر چکا تھا وہ مرا اعتبار کرنے دو

آج نہیں تو کل دیکھیں گے
کون سا کیا ہے پل دیکھیں گے

پہلے خود کو جوڑ تو لیں ہم
پھر تیرا بھی حل دیکھیں گے

بیٹھ گئے جو ڈھونڈ کے تجھ کو
کیا ہے پیار کا پھل دیکھیں گے

ہم سُلجھا لیں خود کو پہلے
پھر تقدیر کا بل دیکھیں گے

آج کا دکھ ہے آج کی اُجرت
کل کے دُکھ کا کل دیکھیں گے

مُجھ سے پیڑ کا نام نہ پوچھو
کب آئے گا پھل دیکھیں گے؟

# خُدا حافظ

وہ لڑکی جو محبت میں۔۔۔
عُروجِ چاہ چاہتی تھی
وہ سب کچھ سونپ کر مجھ کو سمجھ بیٹھی تھی یہ شاید
بدن کی خواہشیں ہی چاہ کی تکمیل ہوتی ہے
مگر چاہت کو لفظوں کے
نہ خواہش کے نہ جسموں کے لبادے کی ضرورت ہے
محبت تو تمنائے وفا کے ساتھ جیتی ہے
محبت تو تفاخر ہے احساس چاہ کا جاناں

لباس آبرو ہی تو معراج حسن چاہت ہے
کہ... چاہ کا نام لے کر یوں
بدن کی رغبتوں کو تو محبت کیوں کہیں جاناں
بدن کی خواہشیں ہر گز
عروج چاہ نہیں ہوتیں
بس اتنا سا سمجھا کر اُسے میں لوٹ آیا ہوں
محبت تو پوتر ہے، یہ پاکیزہ سا جذبہ ہے
کہ اے جاناں
خُدا حافظ!

جبر سے ہم کو محبت میں گرفتار نہ کر
ہم گناہ گار ہیں اب اور گناہ گار نہ کر

زندگی موت کے پہلو میں سُلا دی ہم نے
دے نہ اب قول ہمیں کوئی بھی اقرار نہ کر

وقت رخصت وہ بہت رویا تو ہوگا لیکن
اے دل ناداں تو خود کو تُو ۔۔۔ لاچار نہ کر

آج انصاف نہیں کل کو ملے گا شاید
ہم کو اس طور عدالت کا طرفدار نہ کر

دیکھ مظلوم نہ آ جائیں مقابل تیرے
ظلم کی راہ میں کھڑی کوئی بھی دیوار نہ کر

وہ اگر لوٹ کے آیا ہے تو مایوس نہ کر
یہ تقاضا ہے وفاؤں کا تو انکار نہ کر

جس کو آنا ہے مقابل نقیبؔ آ جائے
تیرا منصوبہ ہے کیا اس کا بھی اظہار نہ کر

بدل لیے ہیں جو رستے ، سو کیا کہیں تم سے
کہ چھوڑا کس لیے کیسے ، سو کیا کہیں تم سے

ہماری نیند میں تم نے خلل نہیں ڈالا
ہمارے ٹوٹے نہ سپنے ، سو کیا کہیں تم سے

تمہیں ہے شکوہ کہ دیکھا نہیں تمہیں ہم نے
تمہیں ہی دیکھ کے سُن تھے ، سو کیا کہیں تم سے

ہے قتل و خون کا ہر سو یہ شور سا برپا
اٹھے ہیں کتنے جنازے ، سو کیا کہیں تم سے

یہ کیسا خوف کھڑا ہے نقیبؔ رستے میں
ہیں لوگ سہمے ہوئے سے ، سو کیا کہیں تم سے

# کم گو

وہ کم گو، چپ چاپ سی لڑکی
لفظوں میں کنجوس بہت ہے
خود میں وہ محبوس بہت ہے
پھر بھی اُس سے شکوہ کیسا
اس کے ہیروں جیسے لب پہ
رہتی ہے مسکان سی رقصاں
اس کی بولتی آنکھیں سارے
راز عیاں کرتی ہے مجھ پہ

جن میں پیار بھرا ہوتا ہے
ملنے میں تاخیر ہوئی ہے
یہ بھی ایک گلہ ہوتا ہے۔
اس کی بولتی، سنتی آنکھیں
ہر اک بات سمجھ لیتی ہیں
اس کی بولتی آنکھوں میں تو
ہوتا یہ اظہار بہت ہے
جانو۔۔۔تم سے پیار بہت ہے
ایسا ہے۔!! تو پھر لفظوں کی آرزو کیسی
مجھ کو پیاری ہے وہ جاں سے
وہ کم گو، چپ چاپ سی لڑکی

ابھی تو تولے ہیں پَر ہی فقط اُڑاں کے لئے
میں خوف بن گیا جانے کیوں آسماں کے لئے

تِری شکست نہیں ہے مجھے قبول کہ تُو
ہے مُبتلائے تردُّد مِری کماں کے لئے

میں تیری تلخ مزاجی کے صدقے جان مِری
کہ زہر میں نے خریدا ہے اب زُباں کے لئے

تِرے مکان سے آگے بھی لوگ رہتے ہیں
تُو گُم ہے سوچ میں اپنے ہی کیوں مکاں کے لئے ؟

سَرودِ عشق میں مانا کشش بَلا کی ہے
یہ ساز چھیڑتا ہے لیکن کسی طوفاں کے لئے

نقیبؔ سیکھ نہ پایا تُو فن خوشامد کا
یہی بہت ہے تِری عمر کے زیاں کے لئے

وہ خُدا نہ تھا مگر کیسی قیامت چھوڑ دی
خُود تو جانا تھا اُسے خاکِ ملامت چھوڑ دی

اب دُعا جینے کی کس کے واسطے مانگیں گے ہم
اُس نے یہ کر دیا ہم سے عداوت چھوڑ دی

بس کے اِک دو گام ہی تھی منزلِ اثرِ دُعا
ہم نے یہ کیا سُن لیا اُس نے عبادت چھوڑ دی

اِسی میں تو نقصان ہی نقصان تھا ہر ایک پل
ہم نے سچ کی جو بھی کی تھی وہ تجارت چھوڑ دی

یہ کسی بھی معجزے سے کم تو نہ تھا اے نقیبؔ
وہ مِلا اور سانس کی ڈوری سلامت چھوڑ دی

کیا ہُوا جو وہ گیا کُچھ بھی نہیں
بس فشارِ خوں گرا کچھ بھی نہیں

بھوک کے ہاتھوں اگر یہ لوگ سب
مر گئے تو کیا ہُوا کچھ بھی نہیں

دیں گے گُردے بیچ کے بجلی کا بِل
خامشی کی یہ سزا کُچھ بھی نہیں

ہیں مُسلط ہم پہ یہ جنات کیوں؟
لوگوں نے ہے کیا کِیا؟ کچھ بھی نہیں

ہیں حمامِ سلطنت میں عُریاں سب
کیسی اب شرم و حیا کچھ بھی نہیں

# وقت

کل اک لڑکی مجھ کو ملی ہے
بس ایک سڑک پر چلنا
دیکھ کے مجھ کو ٹھٹک گئی وہ
پاس میں ڈوبی آنکھوں میں بس
ویرانوں کا جنگل سا تھا
نہ جانے کیا سوچ کے میں نے
اس سے کچھ بھی پوچھا نہ تھا

وہ لڑکی جو مکتب میں تھی
سب سے شوخ کھلنڈری لڑکی
وہ تھی جو تصویر کی صورت
خوابوں کی تعبیر کی صورت
جس کی آنکھوں کی خاموشی
کتنی باتیں کر جاتی تھی
جس کی آنکھیں ہر سو گویا
دیپ جلا کے رکھتی تھیں
جس کی گہری آنکھوں میں کچھ...
خواب نظر آئے
چُپ رہتی تو خاموشی میں بھی...
گانے سنے گئے۔
جس کے سرخ لبوں پہ گویا
فقرے رقص میں رہتے تھے

---

کل اک لڑکی مجھ کو ملی تھی
رنگ وروپ سے عاری چہرہ
مہک بھاری تھی، پلکیں تھیں۔

---

جس کی پلکیں جھپک جھپک کے
آنکھوں میں کوئی خواب نہیں تھا
دل کو چھلنی کر جاتی تھیں
پاس میں ڈوبی اُن آنکھوں میں
ہتی تھی تو جگنو جیسے
ویرانوں کا جنگل سا تھا
جلنے بجھنے لگتے تھے
نہ جانے کیا سوچ کے میں نے
اس سے کچھ بھی نہ پوچھا تھا

رُوٹھا تو بے حواس بڑی دیر تک رہا
پھر بھی مَیں محوِ آس بڑی دیر تک رہا

جانا تھا اُس کو مَیں نے بھی روکا نہیں اُسے
لیکن یہ دِل اُداس بڑی دیر تک رہا

میں مُسکرا رہا تھا کہ حیرت اُسے بھی تھی
حالاں کہ درد و یاس بڑی دیر تک رہا

سمجھا تھا میں کہ میرے محافظ ہیں معتبر
افسوس یہ قیاس بڑی دیر تک رہا

حالاں وہ آشنا مِرا مدّت سے تھا مگر
لیکن وہ ناشناس بڑی دیر تک رہا

ہر چند وہ شخص عام تھا دُنیا کے واسطے
میرے لئے وہ خاص بڑی دیر تک رہا

جانے وہ مجھ کو چھوڑ کے کیسے چلا گیا

یعنی جو غم شناس بڑی دیر تک رہا

تھی بلا وہ درد کی جو سب ہنسی ہی کھا گئی
چاند دیکھا تھا ہمیں، پھر چاندنی ہی کھا گئی

ہم نے جن بے غیرتوں کے پاؤں چُومے تھے کبھی
اُن کے وعدوں پر تو ہم کو مُفلسی ہی کھا گئی

ہم کہ عادی ہو گئے تھے ظُلم سہہ کر سو گئے
ہم کو پھر خود ساختہ یہ بے بسی ہی کھا گئی

خواب کی دیوار تھی جو راہ میں تھی رُوبرو
ہم کو تِرے ملنے کی تھی بے کلی ہی کھا گئی

جبر کے اِس شہر میں ہم اے نقیبؔ اب کیا کریں
شہر کے سب باسیوں کو خامشی ہی کھا گئی

بدلے ہیں جو اِس دَور میں افکار کے معنی
باقی نہ رہے کوئی بھی دیوار کے معنی

اب طرزِ محبت بھی فقط جسم و ہوس ہے
انکار کے معنی ہیں نہ اقرار کے معنی

میں مہر بہ لب ہوں مِری سادگی سمجھو
ہوتے ہیں کئی اَور بھی اظہار کے معنی

زندوں کی طرح وقت گزارو تو خبر ہو
مُردوں کو کہاں آتے ہیں دستار کے معنی

اے جانِ وفا تُجھ سے فقط اتنا ہے کہنا
آ جائیں تمہیں کاش کہ اغیار کے معنی

ہمیں بھُلا کے تُو خوش ہے ذرا پتہ تو چلے
نظر چُرا کے تُو خوش ہے ذرا پتہ تو چلے

ہمیں مِلیں نہ مِلیں منزلیں مگر میرے
دِیے بُجھا کے تُو خوش ہے ذرا پتہ تو چلے

چلو قبول ہے جاناں ۔۔۔ تماشۂ ہستی
ہمیں بنا کے تُو خوش ہے ذرا پتہ تو چلے

چلو ہمیں سے سہی روشنی تو پھیل گئی
ہمیں جلا کے تُو خوش ہے ذرا پتہ تو چلے

نظامِ ظلم کے باغی تھے سو ہمارا سر
اگر کٹا کے تُو خوش ہے ذرا پتہ تو چلے

وفا کی راہ میں نقشِ نقیبؔ عشق تھے ہم
ہمیں مِٹا کے تُو خوش ہے ذرا پتہ تو چلے

# دکھاوہ

یہاں ہر چیز دھوکا ہے
وفا بھی اک دکھاوہ ہے

عبادت بھی ریاکاری
دُعا بھی اک دکھاوہ ہے

مداری گر ہیں میداں میں
شفا بھی اک دکھاوہ ہے

یہاں ہر شام بکتی ہے
حیا بھی اک دکھاوہ ہے

یہاں ہم سارے مجرم ہیں
سزا بھی اک دکھاوہ ہے

یہاں سجدے بھی جھوٹے ہیں
ادا بھی اک دکھاوہ ہے

# مکالماتی نظم

میں کہتا ہوں کہ تُم اپنی مجھے تصویر بھیجو نا!
وہ کہتی ہے کہ روحوں کی بھلا تصویر ہوتی ہے؟
میں کہتا ہوں تری آنکھیں مری آنکھوں میں بستی ہیں
وہ کہتی ہے کہ جھیلوں میں سمندر تو نہیں ہوتے
میں کہتا ہوں مرے سینے سے لگ کے مسکرا دو نا!
وہ کہتی ہے ترے سینے میں دل دھڑکتا ہے
میں کہتا ہوں محبت میں نہیں ہیں دُوریاں اچھی

وہ کہتی ہے کہ اندیشہ ہے قربت میں بچھڑنے کا
میں کہتا ہوں کہ یہ زلفیں مری جا گیر کر دو نا!
وہ کہتی ہے کہ جا گیروں پہ اکثر قتل ہوتے ہیں
میں کہتا ہوں چلو مل کر نئی دُنیا بساتے ہیں
وہ کہتی ہے تری صورت میں دُنیا دِل میں بستی ہے
میں کہتا ہوں کہ بارش میں چلو کُچھ دُور چلتے ہیں
وہ کہتی ہے کہ جانا ہے تو بارش کیوں ضروری ہے
میں کہتا ہوں درختوں پہ چلو ہم نام لکھتے ہیں
وہ کہتی ہے درختوں کو تو اک دِن کٹ ہی جانا ہے
بڑی محتاط لڑکی ہے کہ ملتی بھی نہیں مُجھ سے
بڑی چالاک لڑکی ہے بچھڑتی بھی نہیں مُجھ سے

بدل لیے ہیں جو رستے وضاحتیں کیسی؟
کہ چھوڑا کس لیے؟ کیسے؟ وضاحتیں کیسی؟

ہماری نیند میں تُم نے خلل نہیں ڈالا
ہمارے ٹوٹے نہ سپنے وضاحتیں کیسی؟

تمہیں یہ شکوہ کہ دیکھا نہیں تمہیں ہم نے
ہم تمہیں دیکھ کے سُن تھے، وضاحتیں کیسی؟

ہے قتل و خون کا ہر سو یہ شور سا برپا
اُٹھے ہیں کتنے جنازے وضاحتیں کیسی؟

دیوارِ خوف کھڑی ہے نقیبؔ رستے میں
ہیں لوگ سہمے ہوئے سے وضاحتیں کیسی؟

# بچھڑنے سے ذرا پہلے

بچھڑنا طے سہی لیکن ذرا اک رابطہ کرتے
بچھڑنے سے ذرا پہلے کوئی تو مشورہ کرتے
چلو ہم دو کنارے تھے
اگر یہ مان بھی لیں تو
رسوماتِ زمانہ بھی اگرچہ راہ میں حائل تھیں

قیودِ دُنیا و دیں بھی۔۔۔
رُکاوٹ تھیں اگر راہ میں
روایاتِ محبت بھی نبھانا گرچہ مشکل تھا
یہ قوانینِ فرسودہ ہمارے حق میں گر نہ تھا
وفاؤں کے تقاضے بھی نبھانا۔۔۔
گرنا ممکن تھا
کوئی طوفان سا بن کے
کسی آندھی کی صورت میں
کسی سیلاب کی مانند
کوئی دیوار سی بن کے
زمانہ گرچہ راہ میں تھا
ہماری تاک میں گرچہ، ہزاروں اژدھے ہوں گے
نجانے کتنی آنکھیں تھیں کہ بس مامور پہرے پر
نجانے آستینوں میں تھے۔۔۔

کتنے سانپ پوشیدہ
ہماری چاہتوں پہ بھی کئی الزام رکھے تھے
نجانے کتنے ہی ہاتھوں نے پتھر تھام رکھے تھے
چلو ہر خواب ٹوٹا تھا
کہ ہم سے راحت و چاہت کا
گریزاں تھا ہر اک لمحہ
ہمارا ساتھ چھُوٹا تھا
جو آنکھوں میں بسا رکھے تھے۔۔۔
جُگنو بجھ گئے سارے
چلو دُنیا اگر جیتی تو جیتی بھی تو کیا جیتی
جو ہم ہارے تو کیا ہارے
چلو! مانا یہ سب طے تھا
چلو! مانا یہ ہونا تھا
تُجھے میں نے۔۔۔

مجھے تُو نے۔۔۔
یوں کھویا ہے تو کھونا تھا
ہمیں کس طرح جینا ہے
یہ کیسے زہر پینا ہے
ذرا یہ بھی تو طے کرتے
اگر تھی درمیاں کوئی شکایت وگلہ کرتے
معاف اِک دوسرے کی تھی۔۔۔
اگر کوئی خطا کرتے
ذرا اِک دوسرے کے واسطے مل کے دُعا کرتے
بچھڑنے سے ذرا پہلے کوئی تو مشورہ کرتے

# اُس نے لکھا ہے

اُس نے مجھ کو آج لکھا ہے
تیری آنکھوں سے یہ دنیا
دیکھے مجھ کو مدت گزری
کوئی افق نہ شفق رہی ہے
کوئی فلک نہ دھنک رہی ہے
صبح وہ ہی شام وہی ہے
یہ در اور یہ بام وہی ہے

پھول وہی ہیں، پیڑ وہی ہیں
لیکن رنگ۔۔۔
بے رنگ سے کیوں ہیں؟
وہ ہی سورج، چاند اور تارے
اب کے برس نہیں لگتے پیارے
ہر اک منظر سونا کیوں ہے؟
دیکھنے میں تو وہ ہی سب ہے

وہ پہلی سی بارش کب ہے
اُس نے مُجھ کو آج لِکھا ہے
اپنی آنکھیں بھیجو نا!

# متفرق

# اشعار و قطعات

زہر بنتا ہے بعد میں صاحب
عشق پہلے شراب ہوتا ہے

اک نئے انداز سے پھر سُرخرو ہونے کی ہے
ڈوب جانا تو نشانی پھر طلوع ہونے کی ہے

اُس کے قریں میں کیسے حرف غلط ہوا
میں جس کی گفتگو کا عنوان تھا کبھی
کس خامشی سے دِل سے وہ میرے گیا نقیبؔ
ہائے جو میرے دِل کا مہمان تھا کبھی

زمانہ آیا تھا سننے کو داستاں میری
ترے حصار سے نکلوں تو کوئی بات کروں
دیوارِ یاد میں چُن کر ہے تُو گیا مجھ کو
دیوارِ یار سے نکلوں تو کوئی بات کروں

❁ -- ❁ -- ❁

چاند ہوتا تو چھُو لیا ہوتا
چاندنی کو سمیٹ لُوں کیسے

❁ -- ❁ -- ❁

قتل و خوں بنیاد بنا کر قرض نبھانے نکلے ہیں
ہم حُوروں کی خواہش لے کر لنکا ڈھانے نکلے ہیں

❁ -- ❁ -- ❁

میں نے کیا تھا یونہی بچھڑنے کا تذکرہ
اُس کو تو جیسے کوئی بہانہ سا مل گیا

یہ عجب دیوانگی تھی ، تیرا ہی گھر جان کر
دیر تک میں اپنے دِل پر دستکیں دیتا رہا

چلو اک دوسرے پر منکشف یہ راز کرتے ہیں
عطا اس زندگی کو اب نیا انداز کرتے ہیں
کبھی ہم بھی تمہارے تھے کبھی تم بھی ہمارے تھے
ملے ہیں تو یہیں سے پھر نیا آغاز کرتے ہیں

بعد مدّت کے ہمیں حرفِ دُعا یاد آیا
آ پڑی ہم پہ قیامت تو خُدا یاد آیا

جیسے بھی حالات میں رہنا
بس اپنی اوقات میں رہنا
مار ہی ڈالے گا یہ اک دن
بس اپنی ہی گھات میں رہنا



تیری خواہش یہ ہی تو اس نے بھلا یا تجھ کو
اب کیوں کہتا ہے تجھے میں نے بھلا یا کیوں ہے

## عادتاً

میرے دل کی حویلی میں
ہوائیں سنسناتی ہیں
کوئی آئے کوئی ٹھہرے
یہ ممکن ہو نہیں پایا
مگر میں عادتاً پھر بھی
دریچے کھول دیتا ہوں

میرے لئے تو اُس کی محبت گناہ بنی
وہ تو ثواب جیسا تھا مجھ کو ملا نہیں

ریگ زار عاشقی کے بعد تھا کوہ گراں
آ گئے سر پھوڑ کر کے ہم آبلہ پائی کے بعد

دور تک پگڈنڈیوں کا سلسلہ سا رہ گیا
وہ گیا تو آنکھ میں بس پانی ٹھہرا رہ گیا
جاتے جاتے اُس نے ہر تعبیر مجھ سے چھین لی
میرے ہاتھوں میں فقط اک خواب فردا رہ گیا

میں نے اسے بھلانے کا سوچا نہیں کبھی
اس نے تو یاد آتا ہے کوشش فضول ہے

یہ میرا معمول ہے کہ دیکھتا ہوں راہ تری
اک شعاعِ شام سے بس پھر شعاعِ شام تک

پاؤں دھونے کی رسم کرلی ہے
دل فریضہ تھا وہ نہیں دھویا

کوئی تو آئے خرید لے یہ روشنی مجھ سے
میں آنکھ اپنی ہتھیلی پہ لیے پھرتا ہوں

ہر اک بھوک سے پہلے اکثر سوچا ہے
کاش کہ پتھر بھی گلتے تو اچھا تھا

❁ -- ❁ -- ❁

میں خود بھی سخت طبیعت ہوں ، ہوش میں رہنا
مجھ سے فرعون کے لہجے میں بات نہ کرنا

❁ -- ❁ -- ❁

دل کا کوزہ عجیب کوزہ ہے
یاد کتنی بھی ہو نہیں بھرتا

❁ -- ❁ -- ❁

تم نے پوچھا حال تو پھر ہم کو یہ کہنا پڑا
جی رہے ہیں تیرے بنا تو معجزہ کچھ اسے

اتنی تیزی سے زمیں بھی تو نہ گھومی ہوگی
تیرے جانے سے یہ سر گھوم گیا ہے جیسے

نہ سہہ کے سکو گے یوں راہ چاہت کی سختیاں تم
یقین جانو میں سے تم سے بچھڑا تھا احتیاطاً

ہم کہ ہر بار نئے ظلم کے عادی ہو کر
اتنے بزدل ہیں کہ دیوار سے لگ جاتے ہیں

نہ غم نہ کوئی درد نہ وحشت نہ بے خودی
کچھ بھی بچا نہیں ہے تیری بے رخی کے بعد

یہ عمر بھی تو آخر اک بے وفا سی ہے
جب ہم نے سیکھا تیرنا ، دریا اتر گیا

سونا رستہ تیرے بغیر ہوں میں
کتنا تنہا تیرے بغیر ہوں میں
روٹھ جاتا ہے جو جینوں سے
ایسا سجدہ تیرے بغیر ہوں میں

وہ تو لکھ کے چل دیا تھا دل پہ اک تحریر سی
عمر بھر میں ان دکھوں کا ترجمہ کرتا رہا

جرم لکھا تھا سچائی .... اُس کی دستاویز میں
کیوں وہ میری موت کا ہی فیصلہ کرتا رہا

## ”چوکھمبی“

خدارا! انہیں لوٹ آنے کا کہہ دو
چلن مختلف ہے زمانے کا کہہ دو
کرے اب نہ کوئی بھی بہانے کا کہہ دو
اگر فاصلے ہیں مٹانے کا کہہ دو

❂---❂---❂

وہ عہد و پیمان کا رشتہ
رہ گیا بس پہچان کا رشتہ
ہولے ہولے ٹوٹ گیا ہے
وہ تھا جو اک جان کا رشتہ

❂---❂---❂



Faikit

اے امیرِ شہر ثابت ''جرمِ چاہت'' ہے مرا
جرم یکساں ہے ''اُسے'' بھی شامل تفتیش کر

✵ --- ✵ --- ✵

تمہیں ہی شوق تھا گر فاصلے بڑھانے کا
اب موقعہ ڈھونڈ نے رہنا ہمیں منانے کا

✵ --- ✵ --- ✵

عجیب حدوں سے گزر کر نبھائی ہے چاہت
بجھی ہیں آنکھیں، کسی کا دیا جلاتے ہوئے

✵ --- ✵ --- ✵

جب سے ٹوٹا میرے دل کا آئینہ
اب نہیں بھاتے یہ برتن کانچ کے

ستارے ٹوٹ کر بکھرے زمیں پہ
فلک پلکوں کا خالی ہو گیا ہے

سب نگاہوں کی بات سمجھے ہیں
کس نے دل کی زبان سمجھی ہے؟

زخم پہلے بھرے نہیں مرے
تو نے پھر سے کمان کسی لی ہے

کڑا یہ ہجر ہے کتنا خیال کر لیتے
میرا نہیں تھا تو اپنا خیال کر لیتے
میں ترا روکتا رستہ تو جُرم ہو جاتا
میں تیری رہ میں کھڑا تھا خیال کر لیتے

میں نے کیا تھا یونہی بچھڑنے کا تذکرہ
اُس کو تو جیسے کوئی بہانہ سا مل گیا

## فیصلہ

اب سو چاہے اُس کو بھولنا بہتر ہے
دل بھی اُس دہلیز پہ دھر کے دیکھا ہے
بس کہ استقلال کے معنی ڈوب گئے
پانی سر سے اونچا کر کے دیکھا ہے

## قطعہ

میں زندان خوف وڈر سے نکلا ہوں
عمر چرا کر لمحہ بھر سے نکلا ہوں
اس یہ کیا الزام کہ اُس نے چھوڑ دیا
میں تو خود سے دھوکا کھا کر نکلا ہوں

یوم تجدید عہد وفا کی قسم
مجھ کو احساسِ فکر و دعا کی قسم
ائے وطن تو میرا خون ہے سانس ہے
تیری خوشبوئے آب و ہوا کی قسم

❁--❁--❁

فقط اک سال بدلا ہے مگر میں تو نہیں بدلا
میرے اندر کے موسم بھی دسمبر اب بھی باقی ہے

❁--❁--❁

آج تو تنہا ہے کیسے آنکھ بھی غم ہے تری
پوچھتی ہے مجھ سے چھاؤں اِن گھنے درختوں کی

❁--❁--❁

تو گیا تو کسی کو اپنا ہم سفر کرتے بھلا
رہ گیا رستہ ہی رستہ اک فقط میرے لئے

شام ہوتے ہی میں تنہا ہو گیا
سائے روٹھے ہوں اشجار سے جیسے

ہولے ہولے دُور ہوتے ہو گیا تیرا وجود
رہ گیا بس دھند میں لپٹا راستہ میرے لئے

تمہاری یادوں نے بخشا کیا ہے
میں خود ہی خود میں سمٹ کے رویا
وہ جس پہ لکھا تھا نام ہم نے
میں اس شجر سے لپٹ کے رویا

یہ تو طے ہے کہ ہے اِس میں خسارہ ہونا
اِتنا آساں بھی نہیں آنکھ کا تارا ہونا
تُم جو کہتے ہو تو کشش میں کوئی حرج نہیں
ویسے ممکن ہی نہیں پیار دوبارہ ہونا

مزارِ ذات سے خواہش کا جو لاشہ نکالا ہے
یقیں جانو کہ جیسے کا یہی رستہ نکالا ہے
میں اپنے وہم سے باہر نِکل کے آ گیا ہوں اب
کہ مر جاؤں نہ تیرے بن یہی ڈر سا نکالا ہے

❁ -- ❁ -- ❁

اُس کے قریں میں کیسے حرفِ غلط ہُوا
میں جس کی گفتگو کا عنوان تھا کبھی
کس خامشی سے دِل سے وہ میرے گیا نقیبؔ
ہائے جو میرے دِل کا مہمان تھا کبھی

❁ -- ❁ -- ❁

مجھے اک کام کرنا ہے سقوطِ عشق سے پہلے
میں اُلجھا ہوں سُلجھنا ہے سقوطِ عشق سے پہلے

در و دیوار سے باتیں، بھلا کب تک، بھلا کب تک
مجھے گھر سے نکلنا ہے سقوطِ عشق سے پہلے

گماں کیا ہے؟ یقیں کیا ہے؟ پہیلی حل تو کرنا ہے
مجھے خود میں اُترنا ہے سقوطِ عشق سے پہلے

غلامی کے کنارے پر کھڑا اب رہ نہیں سکتا
کہ قُلزم پار کرنا ہے سقوطِ عشق سے پہلے

نجانے کون آئے گا، سرِ دہلیزِ قلب و جاں
دیا تو مجھ کو رکھنا ہے سقوطِ عشق سے پہلے

نہ تُو ہی پاس ہے میرے نہ خود کو میں میسر ہوں
مجھے اب کس سے ملنا سقوطِ عشق سے پہلے

اگرچہ پار کر آئے ہیں بحرِ غم کو ہم لیکن
فقط اک اور دریا ہے سقوطِ عشق سے پہلے

**عارف پرویز نقیبؔ**
شاعر، پروفیسر، محقق


**دیگر طبع شدہ تصانیف**

1. حرفِ لامکاں (2021ء)

**زیرِ طبع تصانیف**

1. تُو رویا نہ میں (مجموعۂ سخن)
2. تردید (مجموعۂ سخن)
3. اندر بلے تندُور (پنجابی کلام)
4. رختِ جاں (اُردُو پنجابی گیتوں کا مجموعہ)
5. دُکھتی رگ (کالمز کا مجموعہ)